شہنشاہ اکبر

کرنل میلن صاحب کی مشہور و معروف کتاب رولرز آف انڈیا سیریز کے سلسلہ اکبر کا اردو ترجمہ

کرنل میلن

کرنل میلن کی مشہور و معروف کتاب اکبر کا اردو ترجمہ

شہنشاہ اکبر

مصنف: کرنل میلن / ترجمہ: لالہ شودیال

City Book Point
Navaeld Square Urdu Bazar Karachi
Ph : 2762483 Cell : 0322-2820883

باذوق لوگوں کے لئے خوب صورت اور معیاری کتاب

بیاد

Hasan Deen

نام کتاب	شہنشاہ اکبر
تعداد	500
ایڈیشن	2009ء
قیمت	-/180 روپے

فہرست مضامین

دیباچہ طبع دوم

بیس برس ہوئے یہ کتاب پہلے شائع ہوئی تھی۔ ٹیکسٹ بک کمیٹی پنجاب اور شائقین تاریخ ہند نے اس کی قدر کی۔

پہلا ایڈیشن مدت ہوئی ختم ہو چکا۔ چند احباب نے اس کے دوبارہ شائع کرنے کا تقاضہ کیا۔ اس واسطے اب اس کتاب کو دوبارہ ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔ اس کی نظر ثانی جانفشانی سے کی گئی ہے۔ اگر شہنشاہ اکبر کے صلح کل اصول کی پیروی دل و جان سے اس وقت ہمارے ملک میں کی جائے تو ہندو مسلمانوں کی نا اتفاقی بہت کچھ رفع ہو سکتی ہے اور اسی اُمید پر کتاب دوبارہ شائع کی جاتی ہے۔

اگست ۱۹۲۶ء

(شودیال)

عرض ناشر

یوں تو شہنشاہ اکبر کے بارے میں بہت سی کتب پاکستان سے شائع ہو چکی ہیں لیکن یہ کتاب اپنی نوعیت کی ایک انوکھی کتاب ہے اس کتاب میں بہت سی باتیں ایسی ملیں گی جو اس سے پہلے کسی اور کتاب میں پڑھنے کو نہ ملیں۔

اس کتاب کو پڑھنے کے بعد بہت سی غلط فہمیاں بھی دور ہو جائیں گی جو شہنشاہ اکبر کے لئے دل میں موجود تھیں۔ شہنشاہ اکبر کے کچھ خیالات ایسے تھے جن سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ بہر حال ہندوستان کا بڑا جلیل القدر شہنشاہ گزرا ہے۔ مغلوں کی تاریخ شہنشاہ اکبر کے بغیر نامکمل ہے۔ جیسا کہ شودیال صاحب کا کہنا ہے کہ اس کتاب کے ذریعے ہندو مسلمانوں میں جو نا اتفاقی پائی جاتی ہے وہ کچھ حد تک ختم ہو سکتی ہے۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن تقریباً 1906ء میں شائع ہوا اور دوسرا ایڈیشن 1926ء میں شائع ہوا اور اب تیسرا ایڈیشن پاکستان میں پہلی بار شائع ہو رہا ہے ہماری کوشش ہے کہ ایسی کتب شائع کی جائیں جو اب ناپید ہو چکی ہیں ہمارا ادارہ اپنی اس کوشش میں بڑی حد تک کامیاب جا رہا ہے اور اس میں آپ سب کا تعاون بھی حاصل ہے۔

ادارہ

پہلا باب

سب سے پہلے یہ جتا دینا نہایت ضروری ہے کہ میں نے اس عظیم الشان شہنشاہ کی سوانح عمری جس نے سلطنت مغلیہ کو ہندوستان میں مستحکم و مضبوط کر دیا تھا۔ کس طرز پر لکھی ہے اور مجھے امید ہے کہ ناظرین کتاب ہذا کو یہ ناگوار نہ ہوگا۔

واضح رہے کہ اس سلطنت کے حاصل کرنے کا خیال پہلے پہل اکبر کے دماغ میں نہیں پیدا ہوا۔ بلکہ وہ اُس کا دادا بابر تھا۔ جس کے دل میں ہندوستان کے فتح کرنے کا شوق گدگدایا۔ چنانچہ اس نے بہت سے حصے پر قبضہ کر کے سلطنت کی داغ بیل ڈال دی۔ لیکن اُسے پانچ سال کے عہد سلطنت میں اتنا موقع نہ ملا کہ ملک کا پورا پورا انتظام کرتا۔ ملک کے اصلی باشندے اور دعویداران سلطنت اُسے بزا فاتح ہی تصور کرتے رہے یہ بڑا لائق اور اول درجے کا بہادر تھا۔ اس کی ساری عمر جنگ وجدل میں گزری۔ عقل خداداد میں یہ اپنے ہم عصروں سے گویا سبقت لے گیا تھا۔ زمانے کے سرد گرم دیکھ دیکھ کر اس کے مزاج میں نہایت پختگی آ گئی تھی۔ جس طرح عقاب بلند پرواز اپنے آشیانے میں بیٹھے بیٹھے دُور دُور تک کا شکار تاک لیتا ہے۔ اسی طرح اس نظر باز دُور بین بادشاہ نے بھی کابل میں بیٹھے بیٹھے تاڑ لیا کہ خطۂ ہندوستان کی حالت خراب ہو رہی ہے۔ اور فوراً ایک جرار فوج لے کر جس کے مقابلے کی اہل ہند کو طاقت نہ تھی۔ چڑھائی کر دی۔

بابر اگرچہ اپنے معاصرین کے مقابلے میں بڑا بلند خیال۔ رعایا پرور اور فیاض تھا۔ اس کا دائرۂ ہمت بہت وسیع تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ صرف پانچ برس بادشاہ رہا۔ اور اس مدت قلیل میں ہندوستان سے اس کا تعلق ایسا ہی رہا جیسے ایک فاتح کا مفتوح ملک کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ موت نے اُس کو فرصت ہی نہ دی کہ انتظام ملک کی کوئی

نئی طرز نکالتا۔ اس نے بچپن سے اپنے وطن میں جو طریق سلطنت دیکھا تھا وہی اس کے پیش نظر رہا۔ اس زمانے میں چھاؤنیوں کے ذریعے سے سلطنت کی جاتی تھی۔ اور ہر ایک چھاؤنی صوبے کا صدر خیال کی جاتی تھی۔ اور اُس کا افسر اعلیٰ صوبہ دار کہلاتا تھا جو بادشاہ کا جاں نثار ہوا کرتا تھا مگر ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ بابر کا اصلی مدعا کیا تھا۔ آیا وسط ایشیا میں سلطنت قائم کرنا یا ہندوستان میں۔

اس طرز حکومت میں بڑی خرابی یہ تھی کہ ملک کے اصلی باشندوں کی بہبودی متصور نہ تھی۔ ہاں اگر بابر کچھ دنوں اور جیتا رہتا اور اُس کی اعلیٰ لیاقت اُس کا ساتھ دیتی تو وہ ضرور اس بات کو محسوس کر لیتا جو اُس کے بعد اُس کے بلند اقبال پوتے کی سمجھ میں آ گئی کہ یہ طرز حکومت چلنے والی نہیں۔ کیونکہ اِس میں فاتح و مفتوح دونوں کی بہبودی شامل نہ ہونے کی وجہ سے دونوں میں باہمی اتحاد قائم ہونے کی اُمید مفقود ہے۔ ملک کو فتح کر لینا اور بات ہے۔ لیکن دلوں کو مسخر کرنا مشکل ہے اس سے نہ تو فاتح و مفتوح کے باہم محبت پیدا ہو سکتی ہے اور نہ تعصب ہی دور ہو سکتا ہے۔ اس سلطنت کی مثال اُس درخت کی سی ہے جس کی جڑ مٹی ہٹ جانے سے کمزور ہو گئی ہو اور ذرا سے طوفانی جھونکے سے اُس کے آ رہنے کا ہمیشہ خوف ہو۔

توزک بابری میں اس بادشاہ نے اپنے پوست کندہ حالات ظاہر کر دیئے ہیں یہاں تک کہ اپنے قصوروں کا بھی اعتراف کیا ہے اور اپنے دل کی خواہشیں بھی مفصل طور پر بیان کر دی ہیں۔ اسے پڑھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر انتظام ملکی کا اس کو موقع ملتا تو خدا جانے ہندوستان کیا سے کیا ہو جاتا۔ لیکن اُسے موقع ہی نہ ملا۔ پانی پت کی پہلی لڑائی سے لے کر جس میں ہندوستان کے چند صوبے اُس کے ہاتھ آ گئے تھے۔ اُس کے انتقال کا زمانہ اس قدر قلیل رہا کہ مفتوحہ ملک کے مستحکم کرنے اور اپنے دائرہ سلطنت کو بڑھانے کے سوا دوسرا خیال ہی اُس کے دل میں نہ آ سکا۔ وہ جس طرح ہندوستان میں ایک فاتح بادشاہ کی حیثیت سے داخل ہوا تھا آخر وقت تک نرا فاتح ہی رہا۔

جس کام کو بابر نے مجبوری سے ادھورا چھوڑا تھا۔ اُس کے پورا کرنے کی طاقت اُس کے جانشین بیٹے ہمایوں کو قدرت سے ملی ہی نہ تھی۔ کیونکہ اوّل تو ہمایوں بابر سا مستقل مزاج نہ تھا۔ دوسرے نظم سلطنت کے مصالح سے جس کی اس عمارت کو ضرورت تھی وہ بالکل بے خبر تھا اس لئے وہ اس کام کے قابل نہ نکلا اور اپنی آٹھ برس کی حکومت میں بنیاد سلطنت میں ایک پتھر بھی نہ لگا سکا۔ جب اُس کی حکومت کے دن پورے ہو چکے تو جس طرح سلطنت افغانی کو زوال آیا تھا۔ اُسی طرح اس کی حکومت کو بھی زوال آ گیا۔ اور چونکہ اُس نے اپنی سلطنت کی جڑ مضبوط نہیں کی تھی اس لئے پہلی ہی شکست میں ساری مملکت ہاتھ سے کھو بیٹھا جو بابر نے اپنی کوشش سے اُس کو فتح کر کے دی تھی۔ اُس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب سارے ہندوستان میں سے مغلوں کا تسلط اٹھ گیا اور کبھی اُن کو یہ ملک نصیب نہ ہوگا۔

ہمایوں کو شکست دینے والا شیر شاہ سوری اُس سے زیادہ بہادر اور لائق جرنیل تھا۔ اُس نے ایک ہی معرکے میں اس بادشاہ کو تہ و بالا کر دیا۔ گو شیر شاہ بڑا صاحب لیاقت تھا مگر اُس کے خیالات حکومت قائم کرنے کے بارے میں اگلے پٹھان بادشاہوں جیسے ہیں۔ یہ امر مغلوں اور زیادہ تر ملک ہند کے باشندوں کے لئے خوش قسمتی کا باعث ہوا۔ کیونکہ ہندوستان کے کرڑوہا باشندوں کی دلجوئی اس کے طریق سلطنت میں شامل نہ تھی۔ اس نے بھی اضلاع مفتوحہ میں چھاؤنیاں ڈالنے اور اُن کے ذریعے حکومت کرنے سے بڑھ کر اور کچھ نہ کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے دم نکلتے ہی سلطنت کے کئی دعویدار کھڑے ہو گئے۔ اور چند سال کے عرصے میں یہ بد عملی یہاں تک پھیلی کہ 1554ء میں ہمایوں قنوج کے میدان جنگ سے بھاگنے کے 14 برس بعد دریائے سندھ سے دوبارہ اُترا۔ اور شمالی ہند پر تسلط ہو گیا۔ ابھی اُس کی عمر کچھ زیادہ نہ تھی مگر سلطنت مستحکم کرنے کے طریقے سے ویسا ہی نابلد تھا جیسا اپنے باپ کے جانشین ہوتے وقت تھا۔

اُس کی تحریروں سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر عمر وفا کرتی تو وہ بھی اُسی قدیم طریقے پر

حکومت کرنے کی کوشش کرتا جو اُس سے پیشتر کئی حکمرانوں کے عملدرآمد اور نیز اُس کے اپنے برتاؤ سے ناکارہ ثابت ہو چکا تھا۔ مرنے سے کچھ دن پیشتر اس نے ہندوستان کے انتظام کو مختصر طور پر قلمبند کیا تھا اس میں کوئی نئی تجویز نہ تھی بلکہ وہی پرانے دستور کے موافق مختلف مقاموں میں چھاؤنیاں قائم کرنے کی تجویز تھی۔ جس میں ایک چھاؤنی کا تعلق دوسری سے ہوتا۔ لیکن ان سب پر بادشاہ کی نگرانی ضرور ہوتی۔ مفتوحہ صوبجات کے قابو میں رکھنے کے لئے تو یہ بہت اچھی تجویز تھی مگر مختلف صوبجات کو باہم متفق کرنے اور رعایا کو شیر وشکر کر دینے کے حق میں بالکل نکمی تھی۔

پانی پت کی دوسری لڑائی سے اکبر 14 برس کی عمر میں بابر کی سلطنت پر قابض ہوا۔ ابھی وقوع میں نہ آئی تھی کہ ایک سخت حادثے کے سبب ہمایوں کا انتقال ہو گیا اور یہ ہندوستان کے لئے ہر طرح خوش قسمتی کا باعث ہوا۔ اگرچہ ہمایوں کئی سال ملک بہ ملک پھرتا رہا اور زمانے کے انقلاب کا مقابلہ کرتا رہا مگر اس نے نہ تو کوئی نیا تجربہ حاصل کیا اور نہ اپنے پرانے خیالات کو بھولا۔ اس کا لڑکا جو اس کے بعد تخت نشین ہوا گو صغیر سن ہی تھا اور اس نے ابھی تک کسی کام میں ہاتھ نہ ڈالا تھا۔ جس سے اُس کی لیاقت کا اظہار ہوتا مگر اس تھوڑی سی ہی عمر میں اُس پر اس قدر مشکلیں آن پڑیں۔ اور فلک کج رفتار کے ہاتھ سے اس نے اتنی مصیبتیں اٹھائیں جو معمولی آدمی اپنی ساری عمر میں بھی نہیں اُٹھاتا۔ اس کے پاس بے شک اُس زمانے کا سب سے بڑا سپہ سالار موجود تھا۔ مگر انتظامِ ملکی کے بارے میں وہ بھی ہمایوں کا ہم خیال تھا۔ لیکن جہاں خدا نے اس لڑکے کو اور باتوں کی عقل بخشی تھی۔ وہاں سلطنت کا بنانا بھی اس کے ذہن میں ڈال دیا تھا جب تک اکبر کا مشہور و معروف سپہ سالار بیرم خاں اس کے نام سے حکومت کرتا رہا۔ اکبر اس بات کے فکر میں رہا کہ وہ کون سے اسباب ہیں جن سے سابقہ شاہی خاندان نیست و نابود ہو گئے اور جڑ نہ پکڑ سکے جب وہ اپنی رائے قائم کر چکا۔ تو اُس نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ اور ایک ایسا شاہی خاندان قائم کر دیا کہ جب تک وہ اس کے

طریقے پر چلتا رہا۔ سرسبز رہا اور جونہی اس نے صلح کل اور مذہبی آزادی کے اہم اصول سے تجاوز کیا اُس کا تنزل شروع ہو گیا۔

مجھے یقین ہے کہ اب ناظرین پر یہ عیاں ہو گیا ہو گا کہ گو بصورت ظاہر بابر خاندانِ مغلیہ کا بانی تھا۔ مگر اپنے جانشین کو اُس نے فاتح ہی کا خیال سکھایا بے شک ہمایوں کا تو صرف یہی خیال تھا اور اسی وجہ سے وہ اپنے باپ کا مفتوحہ ملک ہاتھ سے کھو بیٹھا۔ یہ سچ ہے کہ اُس کا کچھ حصہ اُس نے دوبارہ فتح کر لیا۔ لیکن پھر بھی نرا فاتح ہی رہا۔ یہ پوتے ہی کا کام تھا جس نے شجر سلطنت کی جڑیں پتال میں پہنچا دیں۔ اور مفتوحہ اقوام کی خوش حالی و رضامندی کا اس میں با افراط اور میٹھا پھل لگا دیا۔

یہی مضمون باقی کتاب میں مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے اس کتاب کے قدرتی تین حصے ہیں پہلے حصے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بابر کو کس طرح ہندوستان پر حملہ کرنے کا خیال آیا۔ وہ بڑا لائق شخص تھا اور خواہ کسی زمانے میں ہوتا۔ اپنی لیاقت دکھائے بغیر نہ رہتا۔ وہ اڑتالیس برس کی عمر میں فوت ہو گیا۔ مگر ایک ایسی تحریر چھوڑ مرا جسے انیسویں صدی کے اختتام پر بھی لوگ بڑی دلچسپی سے پڑھتے اور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بابر کا حال مفصل طور پر بیان کر دینا مجھے نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے تا کہ پڑھنے والوں کو ظاہر ہو جائے کہ پوتے کی کارروائی میں دادا کے حوصلے طاقت اور ذاتی شرافت کا کہاں تک دخل تھا۔ ہمایوں کی سوانح عمری اصل میں حصہ اول سے متعلق ہے۔ اس کا ذکر صرف اسی قدر کیا گیا ہے جس قدر اس کے زوال کی تشریح اور اکبر کے اوائل عمر کے حالات بیان کرنے کے واسطے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اکبر سندھ میں اُس وقت پیدا ہوا تھا جب اس کا باپ ہندوستان سے بھاگا جا رہا تھا۔

کتاب کے باقی دو تہائی حصے میں اکبر کا ذکر ہے مگر پھر میں نے مضمون کے کئی حصے کیے ہیں۔ اس دو تہائی کے پہلے حصے میں میں نے اکبر کے عہد کے ملکی معاملات کا

بیان کیا ہے جو اُس زمانے کے مسلمان مورخوں کی تاریخوں سے لئے گئے ہیں۔
آخری باب میں میں نے اس امر کے ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ اکبر کیسا آدمی تھا۔
آئینِ اکبری اور تصانیف سے اقتباس کر کے میں نے اس بات کے ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ اکبر کیسا منتظم اور نئے نئے انتظام ایجاد کرنے میں کیسا ماہر تھا اس نے سلطنت کا ایسا طریق نکالا جو اب بہت کچھ انگریزوں کے ورثے میں آیا ہے۔ اس نے ان اختلافات کو دور کیا۔ جو پانچ صدیوں سے یہاں کے باشندوں میں چلے آرہے تھے۔ اور ان بغضوں کو رفع کر دیا۔ جو ہمیشہ سے یہاں کے لوگوں کے دلوں میں بھرے ہوئے تھے۔ میں نے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ اکبر کیسا آدمی تھا اور اُس کا بیوی بچوں کے ساتھ کیسا سلوک تھا۔ اُس نے گو ایسے مذہب کی تعلیم پائی تھی جو یہ سکھاتا ہے کہ تمام غیر مذاہب کے معتقدوں سے جنگ کرنی چاہئے۔ مگر اُس نے عقل سے پورا پورا آزادانہ کام لیا۔ اور جو کچھ ازروئے عقل درست پایا اُس کو اختیار کیا۔ یہ میں علانیہ طور پر کہتا ہوں کہ یہ باب اس کتاب میں سب سے زیادہ دلچسپ ہے اور اس کی تشریح کے واسطے جو کچھ اس کتاب میں اس سے پہلے ناظرین کی سمع خراشی کی گئی ہے۔ اُس کی معافی مانگتا ہوں۔

دوسرا باب

بابر کا حسب ونسب اور ابتدائی زمانہ

مغلوں کی خالص نسل میں سے بیر باس ایک قبیلہ نواح سمرقند میں رہا کرتا تھا۔ اس قبیلے کے سردار کے ہاں 9 اپریل 1336ء کو شہر سبز میں جو سمرقند سے 30 میل شمال کی طرف ہے۔ ایک لڑکا پیدا ہوا۔ یہ اپنے والدین کے ہاں پہلا ہی لڑکا تھا اس کا نام تیمور رکھا گیا تھا۔ ماں کی طرف سے تو چنگیز خاں کا خون اس کی رگوں میں جوش مار رہا تھا اور خدا کی طرف سے اس کو وہ اوصاف عطا ہوئے تھے جن سے انسان اپنے ہم جنسوں پر حکومت کرنے کے قابل ہوا کرتا ہے۔ اور خوش قسمتی سے اس کو موقعے بھی ایسے ہی مل گئے کہ اُس نے اُن اوصاف سے خاطر خواہ فائدہ اُٹھایا۔ چنگیز خاں کے جانشینوں میں رفتہ رفتہ ایسا ضعف آیا اور اُن پر غفلت کا ایسا پردہ چھایا۔ کہ 1370ء میں شاخ ذکور کی طرف سے خاندان مذکور کا خاتمہ ہو گیا۔ اُس وقت تیمور کی عمر 34 سال کی تھی۔ تخت خالی پا کر جھٹ جا بیٹھا۔ اور پے در پے فتح وشکست کے بعد اُس کو پوری پوری کامیابی نصیب ہوئی۔ اور اُس نے سمرقند میں اپنی حکومت کر لی جس میں وہ تمام ملک شامل تھے جو دریائے جیحوں سے سیحوں تک پھیلا ہوا ہے اور جہاں کوئی اس کے برخلاف سر اُٹھانے والا نہ تھا یہاں سے اس کی فتوحات کا وہ زمانہ شروع ہوتا ہے جس کا خاتمہ اس کی زندگی کے خاتمے کے ساتھ ہی ہوا۔ پہلے اس نے مغلستان میں اپنی حکومت قائم کی۔ اس ملک کی جنوبی حد تبت کے پہاڑ اور دریائے سندھ اور مکران تھی۔ اور شمالی حد سائبیریا یا پھر خطۂ قپچاق میں جو بحیرۂ ارال اور بحیرۂ کسپین اور دریائے سیحون کے حصہ زیریں کے شمال کی طرف ہے اور دریائے ڈان اور والگا کے کنارے کی

زرخیز زمینیں اور بحیرۂ خزر کے علاقے کا ملک بھی اسی میں شامل تھا۔ بعدازاں اس نے ہندوستان فتح کیا۔ اور آبنائے قسطنطنیہ سے لے کر دہلی تک کے ملکوں میں اپنی حکومت کا ڈنکا بجوایا اور ایک ایسی سلطنت قائم کر کے جو دنیا کی عظیم الشان سلطنتوں میں سے تھی۔ 18 فروری 1405ء کو دنیا سے رخصت ہوا۔

اُس کے مرنے کے بعد تھوڑے ہی عرصے میں اُس کی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ گو اس کے پڑپوتے ابوسعید مرزا نے اس پریشان سلطنت کو کسی قدر فراہم کیا مگر جب اردبیل کے نزدیک پہاڑوں میں اس فوج نے شکست کھائی اور اس میں یہ سردار کام آیا تو پھر اس کے لڑکوں نے ازسرنو آپس میں ملک تقسیم کرلیا۔ اور سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے ان میں سے تیسرے لڑکے کا نام عمر شیخ میرزا تھا۔ صوبہ فرغانہ اس کے حصے میں آیا اس نے قوقند کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔ کہیں کہیں یہی نام اس صوبہ کا بھی مشہور ہوگیا ہے۔

عمر شیخ میرزا بابر کا باپ تھا۔ یہ بڑا بلند خیال شخص تھا اور اپنی سلطنت بڑھانے کے لئے ہمیشہ کمربستہ رہتا تھا لیکن اس کے خاندان کے اور والیان ملک کے دلوں میں بھی یہی آرزو تھی۔ اور 1494ء میں جب چوٹ لگنے کے باعث اُس نے جہان فانی سے رحلت کی۔ تو اس وقت اسے غنیم نے قلعہ اخسی میں جو اس کا دارالخلافہ تھا محصور کر رکھا تھا۔

اس کی وفات کے وقت اس کا سب سے بڑا بیٹا بابر پورے بارہ برس کا تھا اور اخسی سے 36 میل کے فاصلے پر اندجان میں ٹھہرا ہوا تھا دشمن بھی اندجان کی طرف بڑھتا چلا آرہا تھا۔ بابر نے اپنے باپ کی وفات کے دوسرے دن 9 جون کو قلعہ پر قبضہ کرلیا اور حملہ آوروں کے ساتھ عہد و پیمان کرنے شروع کئے اگر دشمنوں کی فوج میں باہمی حسد اور پھوٹ نہ ہوتی تو بابر کی کوششیں بے کار ہی ہوجاتیں۔ مگر ان کے طفیل فرغانہ کا جو کچھ باقی حصہ تھا۔ وہ اس کے قبضے میں آگیا۔ لیکن خجند اور مرغلان اور اردوے پوے نامی بڑے بڑے قصبے اس کے ہاتھ سے جا چکے تھے۔

حملہ آوروں کی واپسی کے بعد دو سال تک یہ لڑکا آرام سے بیٹھا رہا۔ اور اپنا سامان اکٹھا کرتا اور موقع دیکھتا رہا۔ اس کے زمانے میں سمرقند وسط ایشیا میں سب سے بڑا شہر تھا۔ جب یہاں فساد برپا ہوا تو اس شیر نے اس پر دھاوا کردیا۔ نومبر 1497ء میں اہل سمرقند کو مجبوراً اس کی اطاعت قبول کرنی پڑی۔ چونکہ اس نے اپنی فوج کو شہر لوٹنے کی اجازت نہ دی تھی۔ اس سبب سے ہزار ہا سپاہی مفرور ہو گئے۔ مگر یہ ثابت قدمی سے وہیں جما رہا' ہاں جب اس کو خبر ملی کہ فرغانہ پر غنیم چڑھ آیا ہے تو مجبوراً سمرقند چھوڑنا پڑا۔ مگر روانگی کے وقت سخت بیماری لاحق ہو گئی۔ جس نے اس کو بہت ضعیف کر دیا آخر کار جب فرغانہ پہنچا تو بدقسمتی سے یہ سننے میں آیا کہ دشمن نے اس پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس وقت اس کی یہ حالت تھی کہ نام کو تو بادشاہ تھا مگر چپہ بھر زمین بھی اس کے قبضے میں نہ تھی۔ اس نے اپنی سوانح عمری میں یہ اُسی وقت درج کیا کہ" اندجان کو بچانے کے لئے میں نے سمرقند چھوڑا اور اب یہ معلوم ہوا کہ وہ بھی ہاتھ سے گیا اور یہ بھی قبضے میں نہ رہا"

بابر نے گو ملک تو دے دیا مگر استقلال ہاتھ سے نہ دیا۔ جس کی بدولت پھر فرغانہ اس نے لے لیا اگرچہ اب اس کا علاقہ پہلے کے برابر نہ رہا تھا مگر پھر ایک دفعہ سمرقند پر حملہ کر کے اس نے شہر کو جا گھیرا۔ اب ادھر تو ازبکوں نے اس کو محاصرہ اٹھانے کے لئے مجبور کیا۔ اور اُدھر اس کے اپنے ملک کو دشمن نے تاخت و تاراج کر ڈالا۔ اور اُس پر قبضہ کر لیا اس واسطے بابر کو کیش کی طرف جو اس کی جائے ولادت تھی پیچھے ہٹنا پڑا۔ پے در پے مہموں اور قسمت آزمائیوں کے بعد اس نے پھر مستقل ارادہ کیا کہ چند جاں نثاروں کی مدد سے جو اس کے ساتھ رہ گئے تھے واپس جائے اور ایک دفعہ پھر سمرقند پر دفعۃً حملہ کرنے کی کوشش کرے۔ یہ بڑی جان جوکھوں کا کام تھا کیونکہ اس وقت صرف 240 آدمی اس کے ساتھ رہ گئے تھے۔ اس لئے کوشش تو کی مگر کامیابی نہ ہوئی اس کے بعد ایک دفعہ پھر جو ہاتھ مارا تو کامیاب

ہو گیا۔ بابر کا اس وقت سمرقند پر آنا عین موقع پر ہوا۔ کیونکہ قلعے کی آخری فوج نے ابھی تک دشمن کی اطاعت قبول نہیں کی تھی کہ قبیلہ اُزبک کا سردار اپنی فوج کے ہمراہ سمیت قلعے کی طرف گھوڑا دوڑاتا ہوا نظر آیا۔ مگر اُس کو لاچار واپس جانا پڑا۔

بابر اس مفتوحہ علاقے کو دیر تک قبضے میں نہ کر سکا کیونکہ اگلے سال موسم بہار میں اُزبک لوگ بہت سے جمعیت بہم پہنچا کر پھر چڑھ آئے۔ اُنہیں واپس پا کرنے کے لئے بابر شہر سے باہر نکلا۔ اور بخارا کی سڑک کے ایک نہایت محفوظ مقام پر اُس نے فوج کھڑی کی۔ دائیں طرف سے دریائے کوہک اُس کی فوج کو دشمن کی زد سے بچائے ہوئے تھا اگر یہیں پڑا پڑا دشمن کا انتظار کرتا تو غالباً یہی فتحیاب ہوتا۔ لیکن اس موقع پر حملہ کرنا کوئی آسان بات نہ تھی مگر نجومیوں نے اس کو یہ صلاح دی کہ آگے بڑھ کر اُزبکوں کا مقابلہ کرو حالانکہ یہ امر بابر کی رائے کے خلاف تھا لڑائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ گو تقریباً فتح اسی کی ہوئی مگر آخر کار اس کو نقصان اُٹھانا اور بھاگ کر شہر کی چاردیواری کے اندر گھس آنا پڑا۔ یہاں پانچ مہینے تک یہ جما رہا۔ لیکن آخر کار کمی خوراک کے باعث اس کو اطاعت قبول کرنی پڑی۔ غنیم نے بابر کو اس کے رفیقوں سمیت شہر سے نکل جانے کی اجازت دے دی۔ پہلے تو اس نے اردوے پوے کا راستہ لیا۔ مگر پھر دیہ کات کی طرف رُخ کیا۔ جو اردوے پوے کے خان کی طرف سے اُس کو ملا تھا۔ اس واقعہ کے بعد تین سال تک وہ آوارہ دشت ادبار رہا۔ کبھی ریگستانوں میں چھپتا پھرتا تھا اور کبھی اپنی فوج کے ساتھ دھاوے مارتا ہوا تخت شاہی پر جا بیٹھتا مگر ہر حال میں اپنے دل کو خوش رکھتا تھا اور اس امید سے کہ میری ایک دن فتح ہو گی خوش و خرم رہتا تھا اور ہمیشہ کمر ہمت وشجاعت باندھے رکھتا تھا اس نے فرغانہ کو دوبارہ لینے کی کوشش کی۔ مگر اُسے لاچار پھر چھوڑ دینا پڑا اس کے بعد اس نے مختلف اقوام کے لوگ دو تین سو کے قریب جمع کر کے خراسان پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا۔ ظاہر تو یہ دیوانہ پن نظر آتا تھا مگر اس دیوانہ پن سے بھی ایک خاص مطلب نکلتا تھا۔ اس کا ذکر اگلے باب میں ہو گا کہ اس نے کس طرح حملہ کیا اور اس کا نتیجہ کیا ہوا۔

تیسرا باب

بابر کا کابل فتح کرنا

اس وقت صوبجات کابل اور غزنی یعنی وہ ملک جس کو ہم آج کل مشرقی افغانستان کہہ سکتے ہیں شاہ کابل کے ماتحت تھا۔ ہرات ایک علیحدہ سلطنت کا پایہ تخت تھا جو اس زمانے میں وسط ایشیا میں سب سے بڑی سلطنت تھی۔ قندھار' باجوڑ' سوات اور پشاور کے حکمران کابل سے کچھ تعلق نہ رکھتے تھے۔ صرف میدان اور گرد ونواح کی وادیوں میں رہنے والی قومیں شاہ کابل کی مطیع تھیں۔ پہاڑوں میں رہنے والی قومیں ایسی ہی خود مختار اور سرکش تھیں جیسی کہ ان کی اولاد اب تک چلی آتی ہے۔ کابل میں اس وقت تخت بد انتظامی پھیل رہی تھی۔ پچھلے باب میں ابوسعید میرزا کا کچھ ذکر آیا ہے اس کے پوتے شاہ عبدالرزاق پر والئے قندھار کے بیٹے محمد مقیم نے چھاپا مارا۔ اور شہر سے نکال دیا یہ سردار خواب غفلت اور بیہوش نہایت بے فکری اور بے پروائی سے اس طرح حکومت کر رہا تھا گویا دنیا بھر میں امن ہی امن ہے اور اس کو کسی کا خطرہ نہیں۔

ہم ذکر کر چکے ہیں کہ بابر نے خانہ بدوشی سے تنگ آ کر خراسان کی طرف چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا تھا یہ دریائے جیحوں سے پار ہوا۔ تو حاکم ملک سلطان خسرو کا بیٹا مستی باقی بھی اس کے ساتھ شامل ہو گیا۔ اور دونوں نے مل کر اجیر پر فوج کشی کی اور وہاں کچھ دن ٹھہرے۔ پھر یہ سن کر کہ خسرو کے پاس جتنے مُغل ملازم تھے سب باغی ہو گئے ہیں۔ اس نے تلی کان کی طرف کوچ کیا۔ تا کہ اس بغاوت سے اپنا مطلب نکالے۔ ابھی راستے ہی میں تھا کہ مذکورہ بالا مغل اس سے آملے اور اس کو خبر لگی کہ سلطان خسرو

باقی ماندہ فوج لے کر کابل کی طرف جا رہا ہے۔ بابر بھی اُدھر ہی بڑھتا چلا گیا حتیٰ کہ دونوں فوجیں ایک دوسرے سے اس قدر نزدیک ہو گئیں کہ سرداروں کی آپس میں ملاقات ہوئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خسرو بالکل مطیع ہو گیا اور اس کی فوج میں سے گروہ کے گروہ نکل کر بابر کی طرف چلے آئے۔ اس طرح طاقت حاصل کر کے بابر نے کابل پر چڑھائی کی۔ اور شہر کا محاصرہ کر کے اکتوبر 1504ء میں اُس کو فتح کر لیا اس طرح اس کی قسمت نے یک لخت ایسا پلٹا کھایا کہ یہ کابل اور غزنی کا بادشاہ ہو گیا۔ یہ سلطنت فرغانہ کی سلطنت سے جو اس کے ورثے میں آ کر اس کے ہاتھ سے جاتی رہی تھی زیادہ طاقتور تھی۔

ابھی یہاں کے تخت پر بابر کے قدم پورے طور پر جمے بھی نہ تھے کہ اس کے پاس علاقۂ بھیرہ پر حملہ کرنے کا پیغام پہنچا۔ یہ علاقہ دریائے جہلم کے جنوب کی طرف ہندوستان کی حد کے اندر ہے یہ پیغام اس کی دلی خواہش کے ایسا موافق تھا کہ اس سے انکار نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ جنوری 1505ء میں وہ جلال آباد کی طرف روانہ ہوا۔ بابر جواب سلطان کہلانے لگا تھا اپنے تو زک میں ان خیالات کو جو ایشیا کے اس بارونق حصے کے پہلے پہل دیکھنے سے اُس کے دل میں پیدا ہوئے۔ یوں بیان کرتا ہے کہ "میں نے اس سے پہلے کوئی گرم ملک نہیں دیکھا تھا اور نہ ملک ہندوستان، جب میں وہاں پہنچا تو مجھے یک لخت ایک نئی دنیا نظر آئی۔ ترکاریاں، پودے، درخت، جنگلی جانور سب نئی قسم کے تھے یہ دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی"۔ اور واقع میں حیرت کا مقام بھی تھا۔ اور یقیناً ایسا ہی اثر ان لوگوں کے دلوں پر بھی ہوا ہو گا جنہوں نے اُس کے بعد اس ملک پر چڑھائیاں کیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ برابر بڑھتے چلے آئے پھر بابر درۂ خیبر کے راستے پشاور کی طرف بڑھا۔ مگر دریائے سندھ کو عبور نہیں کیا۔ اور کوہاٹ، بنگش، بنوں اور دشت دمن ہوتا ہوا ملتان جا پہنچا۔ وہاں سے روانہ ہو کر وہ چند روز تک دریائے سندھ کے کنارے کنارے سفر کرتا رہا۔ پھر مغرب کی طرف رُخ کیا۔ اور چھیالی اور غزنی کے راستے کابل جا پہنچا اس

مہم کو بابر کا ہندوستان پر پہلا حملہ کہتے ہیں لیکن چونکہ وہ ملک کی سرحد ہی پر رہا۔ اس لئے یہ کہنا چاہئے کہ یہ حملہ صرف ملک کے دیکھنے بھالنے ہی کے لئے کیا گیا تھا۔ مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے دل میں یہ شوق پیدا ہو گیا کہ جلدی اس ملک کو آگے تک دیکھنے کا کوئی موقع نکالے۔

اُن تمام فاتحوں کی جن کا ہندوستان کی طرف خیال ہوا ہے یہی رائے ہے کہ سب سے اوّل قندھار میں اپنے پاؤں جمانے نہایت ضروری ہیں۔ بابر کی بھی یہی رائے تھی اندرونی فسادوں کے باعث اس دوسری مہم میں جو کچھ دیر ہو گئی۔ جب یہ سارے فساد فرو ہو چکے۔ تو اس کو بیرونی معاملات کی طرف توجہ کرنے کا موقع ملا۔ اس کا پُرانا دشمن شعبانی پھر سمرقند کا حاکم بن گیا تھا اور کچھ خفیف فتوحات کے بعد بلخ کا محاصرہ کرنے کو آیا تھا۔ ہرات کا سلطان حسن مرزا اس کی آمد کی خبر سن کر ڈر گیا۔ اور بابر سے مدد کا خواستگار ہوا۔ بابر فوراً تیار ہو گیا اور جون 1506ء میں کابل سے روانہ ہو کر کہمرد پہنچا۔ اور وہاں سامان جمع کرنے کے لئے ٹھہر گیا۔ وہ ابھی اس کام میں مشغول تھا کہ قاصد نے اُس کو خبر دی کہ سلطان حسن مرزا دنیا سے چل بسے بابر یہ خبر سنتے ہی آگے بڑھا اور آٹھ سو میل کا فاصلہ طے کر کے سلطان مرحوم کے لڑکوں اور ان کی فوج سے دریائے مرغاب کے کنارے جا ملا۔

سلطان حسن مرزا کے دو لڑکے اپنے باپ کے بعد مل کر حکومت کرتے تھے بابر نے دیکھا کہ یہ بڑے خوش وضع باسلیقہ اور تیز فہم ہیں مگر سپاہیانہ صفات سے عاری اور عیش میں مشغول ہیں سوچا کہ بھلا کہاں شعبانی خاں جیسا جفاکش اور کہاں یہ ناز پروردہ عیش وعشرت پر غش۔ چنانچہ جب یہ اپنے کیمپ میں رنگ رلیاں منا رہے تھے۔ شعبانی خاں نے بلخ لے لیا۔ آخر کچھ حیث بحث کے بعد اُن دونوں بھائیوں نے آپس میں یہ فیصلہ کیا کہ اب تو فوج کو رخصت کر دو۔ موسم بہار میں از سر نو جنگ شروع کریں گے جاڑے کا موسم اب شروع ہونے کو تھا۔ بابر اپنی رائے کے خلاف

اس بات پر آمادہ ہوگیا کہ اپنے دونوں مہمان نوازوں سے ہرات میں جا کر ملاقات کرے چنانچہ وہ وہاں پہنچا اور بیس دن تک ہر روز نئے نئے مقامات دیکھتا پھرا۔ اور اس شاہی شہر کے بیان میں اپنی توزک کے کئی صفحے بھر کر 24 دسمبر کو اس نے وطن واپس آنے کا ارادہ کیا۔

وہ انگریز صاحبان جو افغانستان کے 1879-81ء کی جنگ میں شریک تھے۔ بخوبی خیال کر سکتے ہیں کہ اس کٹھن اور دشوار گزار راستے میں بابر کو کیسی کیسی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ گرمی کے موسم میں تو یہ بیس دن کا سفر تھا اور گو یہ پہاڑی راستہ تھا مگر گرمی کے موسم میں کچھ بہت کٹھن نہ تھا۔ ہاں سخت جاڑے میں نہایت دشوار گزار ہو گیا تھا خصوصاً اس موسم میں کہ برف پڑ رہی تھی بابر نے اس کو طے کرنے کا بیڑا اُٹھایا۔ خود سب کے آگے آگے ہوا اور تھکا ماندہ گرتا پڑتا جان کو ہتھیلی پر رکھ کر اپنی تعجب انگیز ہمت سے فوج کو درہ زرین کے دامن تک لے آیا۔ یہاں بالکل نا امیدی کی حالت ہوگئی۔ برفانی طوفان زوروں پر تھا برف کئی کئی ہاتھ چڑھ گئی تھی اور درہ ایسا تنگ تھا کہ صرف ایک آدمی اس میں سے گزر سکتا تھا۔ مگر بابر آگے بڑھے ہی گیا۔ اور جب شام ہوئی تو ایک ایسے غار کے پاس پہنچے۔ جس میں صرف چند آدمی رات بسر کر سکتے تھے۔ اس نے اپنی جبلی عادت کے موافق ہمدردی کو کام فرما کر اپنے آدمیوں کو تو جبراً اس کے اندر کر دیا اور خود ہاتھ میں پھاوڑا لے کر برف میں غار کے منہ کے نزدیک اپنے لئے ایک گڑھا کھودا اتنے میں غار والوں کو یہ معلوم ہوا کہ جوں جوں آگے بڑھو غار بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ اور پچاس ساٹھ آدمی اس میں پناہ لے سکتے ہیں اب بابر بھی اندر گیا اور اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اُن کے مختصر کھانے میں شریک ہوا۔ اگلے دن برف اور طوفان بند ہوا اور فوج نے آگے قدم اُٹھایا۔ آخر کار ماہ فروری کے اختتام کے قریب وہ کابل پہنچا مگر جاتے ہی اس کو یہ خبر لگی کہ شہر میں بغاوت ہوگئی ہے اور گو قلعے کی فوج کی نمک حلالی میں کچھ فرق نہیں آیا ہے مگر حالت نازک ہے

بابر کو بھی موقع کی سوجھی مع اپنے مددگاروں کے ساتھ پیغام سلام کر کے اس نے نہایت عمدہ طور سے یکا یک شہر پر حملہ کر دیا اور اس پر قابض ہو گیا اور باغیوں کے ساتھ وہ رحم دلی کا برتاؤ کیا جو ان کے خیال و گمان میں بھی نہ تھا۔

1507ء کے موسم بہار میں اُزبک سردار شعبانی خاں جس نے بابر کو پہلے سمرقند سے نکال دیا تھا بلخ پر حملہ کر کے قابض ہو گیا۔ بعد ازاں اس نے خراسان پر حملہ کیا۔ اور ہرات پر اپنا تسلط جمالیا۔ میر ذوالنون بیگ سلطان حسن مرزا کی طرف سے قندھار کا صوبہ رہ چکا تھا۔ اور قندھار ہرات کے کسی قدر ماتحت تھا۔ اُس کے بیٹوں نے پھر اس شہر پر قبضہ کیا اور وہ شعبانی خاں کے مقابلے کے لئے بابر سے مدد کے خواستگار ہوئے۔ بابر فوراً قندھار کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں سلطان حسن کے معزول خاندان کے بھاگتے ہوئے کتنے ہی رفیق اس سے مل گئے۔ لیکن قندھار پہنچنے سے پیشتر ہی شعبانی خاں نے ذوالنون کے لڑکوں کو ایسا مجبور کیا کہ انہوں نے اس کی اطاعت منظور کر لی۔ اور صاف طور پر بابر کو اس امر سے مطلع کر دیا مگر بابر نے بزورِ شمشیر اپنے دعوے کی تائید کرنے کے لئے تیاریاں کیں۔

بابر کی فوج تو بہت کچھ نہ تھی مگر اس کو اپنے سپاہیوں اور اپنی قوت بازو پر بھروسہ تھا۔ پہلے پہل اس کو قلات غلزئی میں معلوم ہوا کہ قندھار میں ہوا بدلی ہوئی ہے یہاں سے وہ ترنک ندی تک برابر کوچ کرتا چلا گیا۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ جو کچھ قلات غلزئی میں سنا تھا وہ ٹھیک ہے۔ فوج کو لڑائی کے لئے آراستہ کر کے دریا کے کنارے کنارے بابا ولی تک جا پہنچا۔ یہ مقام قندھار سے پانچ چھ میل شمال کی طرف ہے۔ اور کالیس حد کی پہاڑی پر قابض ہو گیا۔ یہاں اُس کا ارادہ ہوا کہ فوج کو آرام دے اور رسد جمع کرنے کے لئے اس نے اپنے سپاہی اِدھر اُدھر بھیجے۔ یہ کمپو سے روانہ ہوئے ہی تھے کہ دشمن کی فوج جو تعداد میں پانچ ہزار تھی شہر سے کوچ کر کے اس کی طرف آتی ہوئی نظر آئی۔ اس کے پاس اس وقت صرف ہزار مسلح

آدمی تھے اور باقی کے سپاہی رسد جمع کرنے کے لئے گئے ہوئے تھے مگر وہ سمجھ گیا کہ اب پس و پیش کا موقع نہیں ہے اور ان ہزار ہی آدمیوں سے قلعہ باندھ کر دشمن کے حملے کا منتظر رہا۔ ذوالنون کے بیٹوں نے اس حملے کی کمان بڑی بہادری سے کی لیکن بابر نے صرف اُن کی مدافعت ہی نہیں کی بلکہ اس طرح بھگایا اور ایسا تعاقب کیا کہ شہر میں جانے کا راستہ بھی بند کر دیا۔ اور بھرا بھرایا شہر اس کے ہاتھ لگ گیا۔ اور بے انتہا لوٹ کا مال ہاتھ آیا۔ مگر یہ قندھار میں ٹھہرا نہیں اپنے بھائی نصیر مرزا کو اس کی حفاظت کے لئے مامور کر کے خود کابل کی طرف روانہ ہو گیا اور جولائی 1507 کے اختتام میں جیسا کہ اس نے خود لکھا ہے ''بہت سی غنیمت اور بڑی نام آوری کے ساتھ کابل میں داخل ہوا''

ابھی دم بھی نہ لینے پایا تھا کہ اس کو یہ خبر لگی کہ شعبانی خاں نے قندھار پہنچ کر اس کے بھائی کو گھر لیا ہے۔ بابر کو فکر پیدا ہوا کہ اب کیا کرے کیونکہ اس کے پاس اس قدر جمیعت نہ تھی کہ شعبانی خاں کا مقابلہ کرتا۔ لیکن سپاہیانہ پیچ خدا نے اُس کی سرشت میں رکھ دیئے تھے۔ فوراً اس کی سمجھ میں آ گیا کہ نہایت کارآمد طریق اب یہی ہے کہ اب ایسی صورت نکالی جائے جس سے ظاہر ہو کہ وہ لڑنے بھڑنے کے لئے تیار ہے اب فکر تھا تو یہ تھا کہ آیا بدخشاں کی طرف رُخ کیا جائے جہاں سے وہ سمرقند پر بھی ہاتھ ڈال سکے یا ہندوستان کی طرف۔ آخر کار اُس نے ہندوستان کی طرف چلنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور اس خیال کے آنے کے ساتھ ہی کوچ کر دیا اور دریائے کابل کے کنارے کنارے دریائے سندھ کی طرف روانہ ہوا۔ مگر جلال آباد میں ٹھہرے ہوئے اس کو چند ہی روز ہوئے تھے کہ خبر ملی کہ شعبانی خاں نے قندھار لے لیا جس سے اس مہم کا مدعا بھی جاتا رہا۔ اب بابر نے کابل کی طرف مراجعت کی۔

اس کے بعد کے آئندہ کے سات برس اگرچہ واقعات سے پُر ہیں۔ مگر ہم اُن کا ذکر مختصر اہی کر دیتے ہیں۔ 1507 سے 1514ء تک بابر شمال کی طرف حملے کرتا رہا۔ اور آخر کار فرغانہ لے لیا اور اُزبکوں کو شکست دے کر بخارا اور سمرقند پر بھی قابض

ہوگیا۔ لیکن اُزبکوں نے واپس آ کر بابر کو کل ملک کے مقام پر ایسی شکست دی کہ اسے ان دونوں شہروں سے دست بردار ہو کر وہاں سے چل دینا پڑا۔ اس کے بعد پھر ان شہروں کے لینے کی کوشش کی مگر غج دیوان پر شکست کھا کر حصار[1] کی طرف ہٹ آیا پھر یہ دیکھ کر کہ یہاں کچھ دال نہیں گلتی۔ وہ کابل میں واپس آ گیا۔ یہ 1514ء کے اوائل کا ذکر ہے۔

اس کے بعد آٹھ سال کا ذکر بھی ہم مختصر ہی طور پر کر دیتے ہیں اس عرصے میں بابر پہاڑی افغانوں کی تنبیہ میں مصروف رہا۔ سوات فتح کیا۔ اور آخر کار عہد و پیمان کر کے قندھار کو بھی لے لیا۔ اور اُس شہر پر قبضہ کر کے اُس کو اور اُس کے گرد و نواح کو دریائے ہلمند کے کنارے کے پست قطعات سمیت سلطنت میں شامل کر لیا۔ یہ 1522ء کا واقعہ ہے۔

اسی اثنا میں ذوالنون کا سب سے بڑا بیٹا شاہ بیگ جو پہلے قندھار پر حکمران تھا۔ سندھ پر قابض ہوگیا۔ اور بھکر کو اس نے پایہ تخت بنایا لیکن جون 1524ء میں مر گیا۔ اس وقت نرساپور کا حاکم شاہ خاسان تھا۔ جو خاندان تیموریہ کا بڑا وفادار مددگار تھا۔ جب اُس نے یہ خبر سنی تو بابر کو ملک کا بادشاہ مشہور کر دیا اور اُس کے نام کا خطبہ سارے سندھ میں پڑھوا دیا۔ مخالفت تو بہت کچھ ہوئی۔ لیکن شاہ خاسان نے سارے صوبے کو مغلوب کر لیا۔ اور خود بابر کا نائب السلطنت بن کر حکومت کرتا رہا۔ آخر کار 1525ء میں بابر کو ملتان آنے کا پیغام پہنچا۔ اس نے وہاں پہنچ کر قلعے پر حملہ کیا اور عرصہ دراز تک محاصرہ رکھنے کے بعد حملہ کر کے اُس کو سر کر لیا اس اثناء میں ہندوستان میں بڑے بڑے واقعات ظہور میں آئے۔ اسی سال میں 29 اپریل کو پانی پت کی لڑائی میں ہندوستان بابر کے ہاتھ آ گیا۔ ہند پر بابر کے حملے کی کیفیت بیان کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اس ملک کے فرمانرواؤں کا حال جو کچھ اس وقت تھے۔ اختصار کے ساتھ بیان کر دیا جائے۔

1۔ اس کے سوا مشرقی ملکوں کی تاریخ میں اسی نام کے اور دو شہر ہیں ان کا بھی ذکر آتا ہے۔ ایک حصار تو ہندوستان میں ہے۔ جو دہلی سے تقریباً سو میل کے فاصلے پر شمال کی طرف واقع ہے۔ دوسرا ملک ایران کے صوبہ آذربائیجان میں ہے اور تخت سلیمان سے 32 میل پر ہے۔ جس حصار کا اس موقعہ پر ذکر آیا ہے وہ دریائے عکوان کی ایک شاخ پر واقع ہے اور بلخ سے 32 میل کے فاصلے پر شمال مشرق کی طرف کو ہے۔

چوتھا باب

ہندوستان پر بابر کے حملے

تاریخ ہند کے ابتدائی زمانے کا یعنی ایام قدیم سے لے کر محمود غزنوی کے حملے تک کا جو گیارہویں صدی کے آغاز میں ہوا تھا ہم ذکر کرنا نہیں چاہتے سچ تو یہ ہے کہ اس زمانے کا مفصل حال معلوم بھی نہیں صرف اتنا ہی معلوم ہے کہ راس کماری سے لے کر سندھ تک اس ملک میں مختلف نسلیں آباد تھیں۔ جن کی بولی ایک دوسرے سے نہ ملتی تھی۔ برہمن دھرم' بدھ مذہب اور جین مت مروّج رہے اور مختلف صوبجات کے حکمرانوں میں جو وقتاً فوقتاً لڑائیاں ہوا کرتی تھیں۔ وہ اکثر مذہب ہی کے باعث ہوا کرتی تھیں۔

پہلے پہل اس انتظام میں محمود غزنوی کے حملے سے خلل پڑا۔ جو 1001ء میں ہوا اگرچہ محمود اور غزنوی خاندان کے اور بادشاہ دہلی راجپوتانہ اور گجرات کے پرلے سروں تک پہنچے۔ لیکن مستقل طور پر اُن کی حکومت پنجاب تک ہی محدود رہی۔ دریائے ستلج کے جنوب مشرق کا ملک ہندو راجاؤں کے ماتحت رہا۔ 1186ء میں خاندان غوری نے خاندان غزنوی کا خاتمہ کر دیا۔ اس خاندان کا بانی ضلع غور کا ایک افغان تھا جو مغربی افغانستان میں کابل کی سڑک پر ہرات سے ایک سو چھبیس میل جنوب مشرق کی طرف ہے۔ 1228ء میں خلجی خاندان نے غوری خاندان کو خارج کر کے اپنا قدم جما لیا اس خاندان کے بادشاہوں نے 33 سال تک دہلی اور اُس ملک کے کچھ حصے پر جو آج کل صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ کے نام سے نامزد ہے۔ بڑی شان و شوکت سے

حکومت کی۔ اور نربدا پا کا علاقہ بلکہ دکن کے اس طرف کا ملک بھی انہوں نے فتح کیا مگر 1321ء میں تغلق خاندان جو ترکی غلاموں کی نسل میں سے تھا۔ خلجیوں کی جگہ قائم ہو گیا۔ لیکن تغلقوں میں اتنی عقل بھی نہ تھی کہ مختلف اقوام اور صوبجات کو مجتمع کر کے سلطنت کس طرح مستحکم ہو سکتی ہے تاہم 91 برس تک اس خاندان کی حکومت رہی۔ اس اثناء میں وہ صوبجات جن پر اگلے بادشاہوں کی حکومت تھی۔ یکے بعد دیگرے سلطنت دہلی سے منحرف ہو گئے۔ خاندان تغلق کی حکومت تو پہلے ہی سے کمزور ہو چکی تھی کہ 1398 میں امیر تیمور نے اس پر حملہ کیا۔ جس سے اس کا رہا سہا سانس نکل گیا اور امیر تیمور کی مراجعت کے بعد 12 سال تک سلطان محمود تغلق برائے نام بادشاہ رہا بعد ازاں حکومت ایک ایسے خاندان میں چلی گئی۔ جس کے حکمرانوں نے لقب شاہی اختیار ہی نہیں کیا۔ یہ خاندان تاریخ میں خاندان سادات کے نام سے مشہور ہے۔ ان کی حکومت 33 سال تک برائے نام شمالی ہند میں رہی۔ لیکن سلطنت کے اجزا بالکل پراگندہ تھے۔ اور اس میں کچھ جان نہ تھی۔ چنانچہ موقع پا کر خاندان لودھی کے ایک طاقتور افغان نے ساری حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔

اس وقت فی الحقیقت ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت صرف اتنی رہ گئی تھی کہ صوبجات ایک دوسرے سے جدا جدا ہو گئے تھے۔ ہر ایک صوبے کا سردار خود مختار تھا اور یہ سب کسی ایک بادشاہ کے ماتحت نہ تھے۔ چنانچہ 1450ء میں دہلی کی حکومت کا بھی ایسا ہی حال تھا۔ اس کے ساتھ گردونواح کا تھوڑا سا علاقہ ہی شامل تھا اور خاندان سادات کے ایک بادشاہ کے ماتحت تھا۔ یہاں سے 14 میل کے اندر ہی میوات میں احمد خاں خود مختار حاکم تھا۔ سمبھل میں جس کو آج کل روہیلکھنڈ کہتے ہیں دریا خاں لودھی حکمران تھا۔ اس کی حکومت دہلی کی دیواروں تک پہنچ گئی تھی۔ جلیسر جس کو آج کل آیٹا کہتے ہیں۔ عیسیٰ خاں ترک کے تحت میں تھا۔ فرخ آباد کے علاقے میں راجہ پرتاب

سنگھ' بیانے میں داؤد خاں لودھی اور لاہور' دیپال پور' سرہند میں بلکہ پانی پت تک بہلول لودھی حکومت کرتا تھا۔ ملتان' جونپور' بنگال' مالوہ اور گجرات میں جدا جدا بادشاہ تھے۔

جب سیّدوں کے خاندان کا چراغ گُل ہوگیا۔ تو بہلول لودھی نے جس کو سلطان بہلول کہتے ہیں۔ ان اضلاع میں سے بھی اکثر پر اور مشرق کی طرف اُس علاقے پر اپنا قبضہ جمالیا۔ جو مغربی بہار کے شمال میں ہے۔ اس کے بیٹے سلطان سکندر لودھی نے بہار فتح کر کے بنگالے کو جا گھیرا مگر آخر کار وہیں کے بادشاہ علاؤ الدین کو واپس دے دیا۔ اور اقرار کیا کہ پھر کبھی بنگالے پر حملہ نہ کروں گا۔ اور وسط ہند کے بہت سے حصے کو اس نے تاخت و تاراج کیا۔ جب 1518ء میں اُس نے وفات پائی تو آگرہ واودھ مع جونپور اور وسط ہند کا بہت سا حصہ اور غربی بہار تھا۔ مگر اصل یہ ہے کہ یہ صوبے برائے نام ماتحت تھے۔ کیونکہ افغان قوم کے سردار جن کے ماتحت سلطان سکندر کو مجبوراً کئی ضلعے رکھنے پڑے تھے۔ جاگیرداروں کے طور پر بادشاہ کے ماتحت تھے۔ ورنہ اپنے اپنے علاقے میں ہر ایک بالکل خود مختار تھا اور اپنا ہی حکم چلانے پر اصرار کرتا تھا۔

اس انتظام کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ جب سلطان سکندر نے وفات پائی۔ تو بڑے بڑے اُمرا نے جو بادشاہ دہلی کی اس برائے نام اطاعت سے بھی تنگ آگئے تھے۔ یہ منصوبہ گانٹھا کہ اس کے بیٹے ابراہیم کو صرف دہلی کی بادشاہت دے دیں۔ اور سوائے جونپور کے سلطان متوفی کے باقی ممالک کو آپس میں تقسیم کرلیں۔ اور جونپور کی ایک جدا ریاست بنا کر دہلی کے ماتحت سلطان ابراہیم کے چھوٹے بھائی کے حوالے کردیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ تجویز پہلے پہل ابراہیم کو سنائی گئی۔ تو اس وقت اس نے رضامندی ظاہر کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا۔ مگر جب خان جہان لودھی نے جو ابراہیم کا قریبی رشتے دار تھا۔ اس تجویز کی مخالفت کی اور ابراہیم کو ساری اونچ نیچ سمجھائی تو یہ بھی اپنے قول سے پھر گیا۔ اپنے بھائی کو جو

جونپور کی طرف روانہ ہو چکا تھا واپس بلالیا۔ اس نے واپس آنے سے انکار کیا۔ بھائیوں میں لڑائی ٹھن گئی۔ اس میں ابراہیم کی فتح ہوئی۔ جب 1518ء میں اس کا بھائی فوت ہو گیا۔ تو ابراہیم نے بلند نظر امرا کو اپنے قابو میں لانے کی کوشش کی۔ لیکن انہوں نے بغاوت اختیار کی۔ اس نے ان کا خوب سر کچلا۔ اور فتح کر کے اتنا ظلم کیا کہ ناراضگی دور ہونی تو کیسی اور کئی بغاوتیں پیدا ہو گئیں۔ بہار' اودھ اور جونپور کے امرا نے ہتھیار اٹھا لئے اور صوبہ پنجاب بھی باغی ہو گیا۔ آپس میں بڑی سخت لڑائیاں ہوتی رہیں۔ کبھی ایک فتحیاب ہو جاتا تھا کبھی دوسرا' جب ملک کی حالت بہت نازک ہو گئی تو سلطان ابراہیم کا چچا علاؤ الدین بھاگ کر بابر کے لشکر میں چلا گیا اور اس سے التجا کی کہ مجھے تخت دہلی پر بٹھا دیجئے۔ بابر اس وقت اصلاع قندھار کو سر کر رہا تھا ادھر ابراہیم کے سپہ سالار نے دولت خاں صوبہ لاہور کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ عین اسی وقت دولت خاں کی طرف سے اس مضمون کی درخواست پہنچی کہ اگر آپ میری مدد کریں تو میں آپ کو اپنا شہنشاہ منظور و قبول کروں گا۔ اس درخواست سے بابر کے منہ میں پانی بھر آیا اور اس تجویز سے متفق ہو کر لاہور کی طرف چل پڑا۔

محمود غزنوی کے حملوں کے پانچ سو برس بعد تک جو ہندوستان کی اندرونی حالت رہی وہ ہم نے اوپر بیان کر دی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس وجہ سے کسی شاہی خاندان کی جڑ اس ملک میں مضبوط نہ ہوئی۔ خواہ غزنوی خاندان کے بادشاہوں کو دیکھیں۔ خواہ غوری' خواہ تغلق' خواہ سید' خواہ لودھی بادشاہوں کو۔ سب کا یہی دستور تھا کہ صرف اپنے ذاتی فائدے کے لئے جنگ کیا کرتے تھے۔ امرا بھی اس بارے میں اپنے بادشاہ ہی کی تقلید کرتے تھے اسی خراب دستور سے ہندوستان تباہ ہو رہا تھا۔ اور ریاستوں کے جاگیرداروں کے تسلط میں آ گیا تھا۔ یہ بادشاہ کے ماتحت تو ہوتے تھے۔ لیکن ان سے اطاعت کرانا یا نہ کرانا بادشاہ کی لیاقت پر منحصر ہوتا تھا انگلستان میں تو فتح نارمن کے بعد فاتح و مفتوح قوم

کے اغراض مشترک ہو جانے سے دونوں قومیں آپس میں شیر و شکر ہو گئی تھیں۔ مگر یہاں اس کے برخلاف فاتح و مفتوح اقوام میں باہم اتحاد و یگانگت کا رنگ نہ جما۔ مسلمان ایک غیر قوم پر خود مختار بادشاہ تھے۔ جو ان کے ماتحت صرف اس سبب سے تھی کہ ان میں سر اٹھانے کی طاقت نہ تھی ہمدردی یا گہرا تعلق پیدا کر کے اس قوم کو شاہی خاندان سے پیوستہ کرنے کا کسی کو مطلق خیال نہ تھا۔ فاتح لوگ جیسے اجنبی آئے تھے ویسے ہی اجنبی رہے اس لئے ملک پر ان کا تسلط صرف سرسری تھا۔ اس نے لوگوں کے دلوں میں گھر نہیں کیا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی حکومت بزور شمشیر ہی قائم رہ سکتی ہے اس لحاظ سے مغلیہ خاندان جس کا نمونہ اکبر ہے سب خاندانوں سے نرالا تھا۔

اگر بابر کے ہندوستان میں آندھی کی طرح آنے اور بگولے کی طرح چلے جانے کا خیال نہ کیا جائے۔ جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ تو اس نے جو 1519ء میں حملہ کیا ہے وہی اس کا پہلا حملہ سمجھنا چاہئے۔ بعض مورخین کا قول ہے کہ اسی سال میں دوسرا حملہ بھی ہوا لیکن فرشتہ لکھتا ہے کہ جس حملے کو لوگ دوسرا حملہ کہتے ہیں وہ صرف یوسف زئی قوم پر فوج کشی تھی۔ جس میں بابر پشاور ہی تک آیا تھا۔ سندھ سے پار نہ اترا تھا یہی رائے غالباً درست ہے۔ اس میں شک نہیں کہ 1520ء میں بابر نے تیسرا حملہ کیا۔ اس میں وہ دریائے سندھ سے اتر آیا۔ اور راولپنڈی کے ضلعے سے ہوتا ہوا جہلم کو عبور کر کے سیالکوٹ پہنچا۔ جس کو اس نے کچھ نقصان نہیں پہنچایا۔ وہاں سے سید پور گیا۔ اور اس کو خوب لوٹا۔ یہاں سے اس کو کابل پر حملہ ہونے کا اندیشہ دامن گیر ہوا۔ اس لئے وہ واپس چلا گیا۔

اس تیسرے حملے کے رائیگاں جانے سے بابر کو اچھی طرح سے یقین ہو گیا کہ جب تک قندھار میں پختہ طور پر پاؤں نہ جم جائیں۔ ہندوستان پر چڑھائی کرنی بے فائدہ ہے اس لئے اس نے آئندہ دو تین سال قندھار کو مستحکم کرنے اور غزنی اور خراسان کے بیچ کا ملک سر کرنے میں صرف کئے ابھی اس کام سے

فارغ نہ ہونے پایا تھا کہ علاؤ الدین لودھی اور دولت خاں صوبۂ لاہور کے پیغام پہنچے اور دولت خاں کے پیغام کے مطابق اس نے ہندوستان پر چوتھا حملہ کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا اب کے وہ دوبارہ سندھ، جہلم اور چناب کو عبور کرتا ہوا لاہور سے 10 میل تک آپہنچا۔ یہاں خاندان لودھی کے مددگاروں کی فوج نے اس کا مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور لاہور بابر کے ہاتھ آگیا۔ اور یہاں وہ صرف چار دن رہا پھر آگے بڑھ کر دیپال[1] پور کو جالوٹا دولت خاں اور اس کے بیٹے بھی یہاں اُس سے آملے۔ مگر جو کچھ ان کو ملا اس سے ناراض ہوکر اپنے نئے آقا کے برخلاف سازش کرنے لگے بابر دہلی کی طرف جارہا تھا کہ سرہند کے قریب ان کی چال بازیوں کی اسے اطلاع ہوئی اس وقت اسے یہی مناسب معلوم ہوا کہ آگے بڑھنا بند کرکے کابل کو واپس چلا جانا چاہئے۔ چنانچہ پنجاب کا ملک ان سرداروں کے سپرد کرکے جن پر اس کو اعتماد کلی تھا۔ خود کابل کی طرف روانہ ہوگیا۔

ابھی دریائے سندھ کو عبور نہ کرنے پایا تھا۔ کہ پنجاب میں نیا فساد شروع ہوا۔ علاؤ الدین لودھی جس کو دیپال پور کا ضلع ملا تھا۔ مایوس ہوکر اس امید پر کابل کی طرف بھاگا کہ بابر خود ہندوستان پر چڑھائی کرنے کے لئے تیار ہوجائے گا۔ مگر اس کی یہ امید پوری نہ ہوئی۔ کیونکہ اس وقت اُزبکوں نے بلخ کا محاصرہ کررکھا تھا۔ اُدھر کے دغدغے کے سبب وہ علاؤ الدین کے ساتھ ادھر نہ آسکا۔ تاہم اس نے علاؤ الدین کے ساتھ اپنی فوج کردی۔ اور اپنے فوجی افسروں کے نام جو پنجاب میں تھے۔ حکم بھیجا کہ اس کی مدد کریں۔ مگر یہ چڑھائی بھی بے سود رہی اور علاؤ الدین پریشان ہوکر دہلی سے پنجاب کی طرف بھاگ گیا۔ جب وہ اس حالت میں پنجاب پہنچا تو بابر اس وقت ہندوستان پر پانچویں حملے کی تیاریاں کررہا تھا اور یہی اُس کا آخری حملہ تھا۔

اس حملے کی صرف موٹی باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ بابر کا بیٹا ہمایوں اس

1۔ دیپال پور ضلع منٹگمری میں ایک قصبہ ہے جو لاہور سے تقریباً 90 میل جنوب کی طرف واقع ہے۔ بابر کے وقت میں اس قصبے کی بڑی شہرت تھی۔

کے ساتھ تھا۔ خیبر کے راستے پشاور آیا۔ دو دن وہاں رہا۔ 16 دسمبر کو دریائے سندھ سے پار ہوا۔ اور ڈبل کوچ کرتا ہوا سیالکوٹ پہنچا۔ جب یہاں آیا تو معلوم ہوا کہ علاؤ الدین شکست کھا کر بھاگ گیا ہے[1] بے خوف وخطر اگلے دن اُس نے پسرور کی طرف کوچ کیا۔ جو سیالکوٹ اور کلانور کے بیچ میں دریائے راوی کے قریب واقع ہے وہاں سے کلانور آیا پھر بیاس کو عبور کر کے ملوٹ کے مضبوط قلعے کے پاس پہنچا۔ جہاں اُس کا پرانا رفیق دولت خاں پناہ گزین تھا۔ ملوٹ آسانی سے ہاتھ آ گیا۔ پھر بابر دوآبہ جالندھر میں سے گزرتا ہوا دریائے ستلج پہ آیا۔ اور جیسا کہ اس نے اپنی توزک میں لکھا ہے ''عزم بالجزم توکلت علی اللہ'' کر کے روپڑ کے نزدیک اس دریا سے پار ہوا۔ اور انبالے ہوتا ہوا سرساوے[2] کے مقابل دریائے جمنا تک پہنچ گیا۔ وہاں سے دریا کے کنارے کنارے چل نکلا اور دو منزلیں طے کر کے 12 اپریل 1526ء کو پانی پت پہنچا۔ جو دہلی سے 53 میل شمال مغرب کی طرف ہے یہاں اُس نے مقام کر دیا۔ اور اپنے لشکر کے استحکام میں مصروف ہوا۔

نو دن بعد ابراہیم لودھی نے فوج کثیر لے کر اس مقام پر حملہ کیا۔ جہاں بابر پڑا ہوا تھا۔ بابر کے خیال کے مطابق ابراہیم کی فوج میں ایک لاکھ آدمی تھے۔ بابر اپنی توزک میں یوں لکھتا ہے کہ ''سورج نکلا ہی تھا کہ پہلا ہلا ہوا۔ دوپہر تک جنگ ہوتی رہی۔ پھر دشمن شکست فاش کھا کر بھاگ نکلے'' اور کامل فتح حاصل ہوئی۔ ابراہیم لودھی بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ اور سلطنت ہند نے بابر کی قدم بوسی کا فخر حاصل کیا۔ اسی دن دہلی و آگرے پر قبضہ کرنے کے لئے فوج روانہ کر دی۔ 24 اپریل کو دہلی پر اور 4 مئی کو آگرے پر قبضہ ہو گیا[3]

1۔ بابر نے اپنی توزک میں اس کوچ کو بڑا مفصل اور دلچسپ بیان قلمبند کیا ہے۔

2۔ سرساوہ دریائے جمنا کے جنوبی کنارے پر سہارنپور سے اس میل شمال مغرب کی طرف ہے۔

3۔ اپنی سوانح عمری میں بابر بیان کرتا ہے کہ پہلے پہل کس کم درجے کے آغاز سے اس نے فتوحات [illegible] اس نامور ملک ہندوستان کو فتح کیا وہ لکھتا ہے "یہ کامیابی میں نے اپنے زور بازو سے حاصل نہیں کی ہے بلکہ خدا کی مہربانی اور اس کے کرم کا نتیجہ ہے۔"

پانچواں باب

ہندوستان میں بابر کی حالت

ہندوستان کے شمال مغرب کے دو بڑے دارالحکومتوں پر قابض ہو کر بابر نے مدبرانہ پیش بینی سے تحقیقات شروع کی کہ ملک ہندوستان کی اصلی حالت کیسی ہے۔ یہ تو اس کو فوراً ہی معلوم ہو گیا کہ سارا شمالی ہندوستان اُس کے ماتحت ہے باقی ملک کا یہ حال تھا کہ صوبجات اودھ جونپور اور مغربی بہار ابراہیم سے منحرف ہو گئے تھے۔ اور اگرچہ اس نے باغیوں کی سرکوبی کے لئے فوج بھیج دی تھی لیکن اب صاف معلوم ہوتا تھا کہ نئے حملے آور کی مخالفت میں وہ دونوں فریق متفق ہو جائیں گے۔ علاوہ ازیں بنگالے کا بادشاہ نصرت شاہ' گجرات کا سکندر شاہ اور مالوے کا سلطان محمود تین بڑے طاقتور اور خود مختار حکمران تھے۔ مالوے کے کچھ حصے کو مشہور و معروف ہندو راجہ رانا سانگا نے دوبارہ فتح کر لیا تھا۔ یعنی رن تھمبور کا قلعہ جو چمبل اور بناس کے مقام اتصال پر واقع ہے۔ سارنگ پور جو دریائے کالی سندھ پر ہے۔ بھیلسا جو بیتوا پر ہے۔ چندیری اور چتوڑ جو ان دنوں میں بڑے مشہور شہر تھے۔ رانائے مذکور کے قبضے میں آ چکے تھے۔ ہندوستان کے جنوب میں بھی خاندان برہمنی قائم ہو چکا تھا۔ اور بیجانگر کا راجہ بھی خود مختار تھا ان کے علاوہ اور بھی کئی راجہ اور رانا تھے۔ جنہوں نے مسلمانوں کی اطاعت کبھی قبول نہ کی تھی۔

لیکن ان حاکموں کی خود مختاری بابر کے لئے کچھ بڑی مشکل کی بات نہ تھی ہاں مشکل بات یہ تھی کہ ہندو لوگ اس کے سخت مخالف تھے۔ کیونکہ بابر سے پہلے جتنے شاہی خاندان ہوئے تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی ان سے صلح نہیں رکھی

تھی۔ ارسکین صاحب (Erskine) لکھتے ہیں۔ کہ شمال ہند میں قدیم ہندوؤں کا انتظام اس وقت تک بہت کچھ باقی تھا۔ گاؤں اور ضلعوں کا انتظام اور حکومت کی طرز بھی بدستور ہندوؤں ہی کی سی تھی بے شمار چھوٹی ریاستوں میں ملک کی تقسیم بھی بالکل پرانے زمانے کی طرح چلی آتی تھی۔ اور جب بادشاہ گردی ہوتی تھی۔ تو ہندو اس بات کی چنداں پروانہ کرتے تھے کہ دارالخلافے میں کس کی حکومت ہوگئی ہے مگر اس بات کا ضرور خیال رکھتے تھے کہ ان کے سر پر براہ راست حاکم کون بن گیا ہے۔ قصہ کوتاہ چونکہ ان کے خیال میں یہ کبھی نہ آیا تھا۔ کہ ایک ذی اختیار دربار سے عمدہ انتظام کا شائع ہونا بھی کوئی شے ہے۔ اس لئے وہ سب پچھلے فاتح کو اپنا بڑا دخل سمجھتے تھے۔ اور اس کی مخالفت سے ہی اپنی بھبودی کی امید رکھتے تھے۔

چونکہ اس نئے حملہ آور بابر کے چال چلن اور خصلت سے یہ لوگ واقف نہ تھے۔ اس لئے اس کے آنے سے ان کو جو خوف پیدا ہوا تھا۔ اس کو سابق کے شاہی خاندانوں کے مسلمانوں نے سازشیں کر کے اور بھی زیادہ کر دیا تھا۔ کیونکہ ان کو یقین تھا کہ اگر بابر کے پاؤں جم گئے۔ تو یہ ہم کو برباد کر دے گا اس لئے ان لوگوں نے ہندوؤں کے دلوں پر اس بات کے نقش کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا کہ وسط ایشیا کے وحشیوں کی لوٹ سے نہ تو تمہارے مندر محفوظ رہیں گے۔ اور نہ ان کی شہوت پرستی سے تمہاری عورتیں اور لڑکیاں بچیں گی۔ ایسی باتوں سے خوف زدہ ہو کر بیچارے ہندو اس رحمدل اور فیاض حملہ آور کے آگرے پہنچنے کے وقت شہروں سے بھاگ گئے اور انہوں نے بے آبرو ہونے سے جنگل کی خاک چھاننی بہتر سمجھی۔

اس کے علاوہ بابر کے سر پر ایک اور مصیبت یہ آپڑی کہ اس وقت خود اس کی فوج میں ناراضگی پھیل گئی اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اس کے بہت سے سپاہی مشرقی افغانستان کے بلند پہاڑوں کے رہنے والے تھے۔ ان کو جب تک لڑائی کی امید رہی۔ وہ خوشی خوشی بادشاہ کے پیچھے چلے آئے۔ پانی پت کی لڑائی سے تو شمالی

ہندوستان ان کے ہاتھ آ گیا مگر دہلی سے آگرے تک ایک ویران ملک میں سے گزرنا پڑا۔ گرمی کا موسم تھا اور 1526ء میں گرمی کی شدت بھی معمول سے بہت زیادہ تھی۔ کوہستانی افغان اس گرمی کی تاب نہ لا سکے۔ ان کے دلوں میں یہ سمائی کہ اپنے سرد پہاڑی ملک کو چل دیجئے۔ یہ ناراضگی صرف سپاہیوں تک ہی محدود نہ رہی تھی۔ بلکہ اس میں افسر بھی شامل ہو گئے تھے اور ان کی شکایتیں اب یہاں تک پھیلیں کہ بابر کے کانوں تک پہنچ گئیں۔

بابر اس فتح سے اس قدر خوش تھا کہ نہ تو وہ اس سخت گرمی کی تکلیف کو تکلیف سمجھتا تھا۔ اور نہ یہاں کے باشندوں کی مخالفت سے ڈرتا تھا۔ کیونکہ وہ خوب جانتا تھا کہ میرے ہاتھ ایشیا کا سب سے عمدہ اور نہایت سرسبز وزرخیز حصہ آ گیا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی قابل تعریف سوانح عمری کے بیس صفحے سے زیادہ اسی بیان میں سیاہ کئے ہیں اس نے اس بیان کو یوں شروع کیا ہے۔ کہ "یہ ملک نہایت ہی عمدہ ہے اور ہمارے ملکوں کے مقابلے میں گویا یہ دنیا ہی نرالی ہے" وہ ایک ہی نظر میں تاڑ گیا کہ یہاں فتح کو اس کے اپنے خیال کے مطابق مکمل کرنے کے لئے سب اسباب خود بخود مہیا ہیں۔ اسی دن سے شہنشاہ ہندوستان کا اعلیٰ خطاب اختیار کر لیا۔ اور شاہ کابل کا لقب پیچھے چھوڑ دیا کیونکہ بابر کو آگے ہی بڑھنے کا شوق تھا۔ پیچھے ہٹنا تو وہ جانتا ہی نہ تھا۔

بابر نے تمام مشکلات کا اندازہ اپنے دل میں خوب طرح کر لیا تھا اور یہ بھی مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ ان کو کس طرح رفع کرنا چاہئے۔ وہ جو کچھ منہ سے نکالتا تھا۔ اس کو کر بھی دکھاتا تھا سب سے پہلے وہ فوج کی ناراضگی رفع کرنے کی طرف متوجہ ہوا۔ کیونکہ یہی سب سے بڑی مشکل تھی۔ اس نے سارے امرا کو بلا کر ایک جلسہ کیا۔ اور جو اصل حالت تھی وہ ان کو سنائی اور یہ کہہ کر ان کی آنکھیں کھولیں کہ کیسی بے شمار دشوار منزلیں طے کر کے خونریز لڑائیاں لڑ کے یہ مالا مال اور وسیع صوبے فتح کئے گئے ہیں اب ان کو چھوڑ کر کابل واپس چلے جانا بڑی شرم کی بات ہے اور اپنی تقریر کا خاتمہ اس بات پر کیا

کہ ’’آج سے جو شخص میری دوستی کا دعویٰ کرتا ہے۔ وہ ایسی بات منہ پر نہ لائے‘‘ لیکن اس نے یہ بھی کہا کہ ’’تم میں سے جو شخص یہاں نہیں رہ سکتا۔ اُس کو واپس جانے کی اجازت ہے‘‘ اس تقریر کا لوگوں کے دلوں پر خاطر خواہ اثر ہوا۔ اور جب اس پر عملدر آمد ہوا اور نئے نئے مقابلوں کے بعد نئی کامیابیاں ہوئیں تو سپاہ میں ناراضگی کی بجائے سرگرمی پھیل گئی[1]

بابر کے استقلال طبع سے یہ ایک اور بڑا فائدہ ہوا کہ جب ملک کے باشندوں اور نو وارد مسلمانوں اور ہندو زمینداروں اور سوداگروں نے یہ دیکھا کہ اس ملک میں بابر کا قیام مستقل طور پر ہو گیا تو ان کے دلوں سے خوف و خطر جاتا رہا اور اس اثنا میں کئی باتوں سے اس کے مزاج کی فیاضی اور شرافت بھی ثابت ہو چکی تھی۔ جس سے اس کی نسبت پہلے جو عام رائے تھی۔ وہ اب بدل گئی تھی روز بروز اس کے جھنڈے تلے نئے نئے آدمی آتے گئے۔ سارے بھاگے ہوئے دیہاتی اور دکاندار اپنے گھروں میں واپس آگئے۔ اور اس کے لشکر میں کسی بات کی کمی نہ رہی تھوڑے ہی عرصے بعد اس فوج نے بھی جس کو ابراہیم لودھی نے جونپور اور اودھ کی بغاوت فرو کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ بابر کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ ادھر بابر نے اپنی فوج کی عمدہ کارگزاریوں سے بہت سا حصہ تو رہیلکھنڈ کا فتح کر لیا۔ اور اٹاوے اور دھول پور کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن اس کو تکلیف پہنچانے کے لئے وسط ہندو میں تیاریاں ہو رہی تھیں۔ جن کی طرف سے وہ کسی طرح غافل ہو کر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔

یہ تکلیفیں رانائے چتوڑ یعنی رانا سانگا کی طرف سے پہنچیں۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس بڑے سردار نے اور فی الحقیقت وہ بڑا ہی تھا اس سے پیشتر کے مسلمان حملہ

1- بادشاہ کا ایک دوست ہندوستان کی گرمی برداشت نہ کر سکا۔ اس کو غزنی کا حاکم بنا دیا گیا۔ جب وہ روانہ ہو گیا تو بابر نے اس کی روانگی کے بعد قطعہ لکھ کر اس کو بھیجا جس کا مضمون یہ تھا۔

’’اے بابر صد شکر بجالا کر رحیم خدا کی فیاضی نے تجھ کو سندھ و ہند اور بے شمار بادشاہتیں بخشی ہیں۔ اگر گرمی کی تاب نہ لا کر تمہیں سردی کی خواہش ہے تو تم کو صرف غزنی کی سردی اور پالا یاد کرنا چاہئے‘‘

آوروں سے اپنے موروثی ملک کا بہت سا حصہ کس طرح چھین لیا تھا بلکہ اس سے زیادہ اس نے یہ کارنمایاں کیا کہ براول اور چناولی کے سخت معرکوں میں ابراہیم لودھی کو شکستیں دیں ان کے علاوہ 16 لڑائیوں میں اور افسروں پر متواتر فتح پاتا رہا۔ ہندوستان میں بابر کے آنے سے پیشتر رن تھمبور کا مشہور قلعہ اسی کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے اب بھی اپنی فتوحات کا سلسلہ بدستور جاری رکھا اور بابر کو یہ سن کر بڑی تشویش ہوئی کہ اس راجپوت راجہ نے کندر کا مشہور پہاڑی قلعہ بھی لے لیا ہے۔ جو رن تھمبور سے چند میل مشرق کی طرف ہے۔

برسات کا موسم ختم ہونے ہی کو تھا۔ کہ بابر نے ان اور دیگر مشکلات کا تدارک کرنے کے لئے ایک جلسہ کیا اس جلسے میں یہ تجویز قرار پائی۔ کہ بابر کا سب سے بڑا بیٹا ہمایوں[1] جو اس وقت 18 برس کا تھا۔ مشرق کی طرف فوج کشی کر کے ملک دوآب اودھ اور جونپور پر کامل تسلط کر لے۔ اور بابر معاملات کے انتظام و نگرانی کے لئے آگرے میں ہی ٹھہرا رہے اور رانا سانگا کے بارے میں یہ صلاح ٹھہری کہ پہلے اس دشمن کو مطیع کر لیا جائے جو دارالخلافے کے قریب ہے اس کے بعد رانا سانگا کا بھی تدارک کیا جائے۔

ہمایوں کو اس مہم میں پوری پوری کامیابی حاصل ہوئی۔ اس نے بہار کی سرحد تک ملک فتح کر لیا۔ جب 6 جنوری 1527ء کو واپس آیا۔ تو بابر نے بیانہ اور دھولپور اپنے قبضے میں کر لیا۔ اور ایک ایسی چال چلی کہ گوالیار کا قلعہ بھی اس کے ہاتھ آ گیا اور اس کو یہ خبر بھی پہنچی کہ ملتان پر بھی اپنا تسلط ہو گیا ہے اسی طرح سندھ سے مغربی بہار تک۔ اور کالپی اور گوالیار سے ہمالیہ تک کا ملک اپنے قبضے میں کر کے چتوڑ کے مشہور رانا سانگا کی طرف متوجہ ہوا۔ چنانچہ 11 فروری کو بابر اس

1- تزک بابری کے صفحہ 302-303 پر ہمایوں نے یہ حاشیہ چڑھایا ہے۔ شاہ آباد کو ذکر کر کے جو دریائے جمنا کے بائیں کنارے سے پانی پت کی سڑک پر واقع ہے۔ ہمایوں لکھتا ہے اسی مقام پر اسی دن یعنی 6 صفر 1526ء کو سب سے پہلے استرا یا قینچی میری داڑھی کو لگائی گئی۔ چونکہ میرے والد بزرگوار نے اسی تزک میں صراحت فرمایا ہے کہ پہلے پہل ان کی داڑھی کو استرا اب لگایا گیا تھا میں نے بھی ان کی تقلید کر کے اپنی نسبت یہ واقعہ قلمبند کیا ہے اس وقت میری عمر 18 سال کی تھی اب میری عمر 46 سال کی ہے اور محمد ہمایوں بادشاہ تیموری جہانبانی کے قلمی نسخے سے تزک بابری کی نقل کر رہا ہوں۔

کا مقابلہ کرنے کے لئے آگرے سے روانہ ہو گیا۔ اس وقت لودھی خاندان کے مسلمان بھی مدد کے لئے رانا کے ساتھ تھے۔ بی سادر کے مقام پر یہ پڑا ہوا تھا۔ جو بیانے سے بارہ میل ہے اور آگرے سے 62 میل۔ بابر پہلے سیکری تک بڑھا جس کو آج کل فتح پور سیکری کہتے ہیں اور وہاں اس نے مقام کیا۔ اس کے بعد کئی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوئیں۔ جن میں ہمیشہ راجپوتوں کا ہی پلڑا بھاری رہا۔ اور بابر کے سپاہیوں کی بڑی ہٹی ہوئی بابر نے حتی المقدور اپنے کیمپ یعنی لشکر گاہ کو مستحکم کر لیا۔ اور میوات کی فتح کے لئے ایک فوج بھیج دی۔ اور صرف اسی کو غنیمت سمجھا اور اپنے کیمپ میں اس طرح چاروں طرف سے محبوس ہو کر اور معاملات کی نازک حالت سے حوصلہ چھوڑ کر اور مجبور ست پڑے رہنے سے بے چین ہو کر بابر نے اپنے دل میں اپنی گزشتہ زندگی کے حالات کی پڑتال کی۔ اور بڑی عاجزی اور توبہ کے ساتھ اس بات کو تسلیم کیا کہ ساری عمر وہ قرآن شریف کے ایک بڑے حکم کے خلاف جس کے رو سے شراب پینا منع ہے۔ عمل کرتا رہا ہے۔ اس نے دفعتہ اس کے ترک کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ اسی وقت اس نے اپنی شراب پینے کی سونے کی پیالیاں اور چاندی کی صراحیاں منگوا کر اپنے سامنے تڑوا ڈالیں۔ اور ان کے فروخت کرنے سے جو روپیہ وصول ہوا۔ وہ غربا کو بانٹ دیا اور جتنی شراب لشکر میں موجود تھی۔ وہ سب پینے کے ناقابل کر دی گئی اور زمین پر پھینک دی گئی اس کے ساتھ تین سو امیروں نے بھی شراب سے توبہ کی۔

آخر کار یہ دیکھ کر کہ اسی حالت میں زیادہ عرصے تک نہیں رہ سکتے 12 مارچ کو بابر نے دو میل دشمن کی طرف بڑھ کر مقام کیا۔ اگلے دن پھر بڑھا۔ اور ایک ایسے موقعے پر خیمہ زن ہوا۔ جو اس کے نزدیک لڑائی کے حق میں نہایت مفید تھا یہاں اس نے اپنی فوج کو جنگ کے لئے قائم کیا 16 مارچ کو راجپوت اور ان کے مددگار بھی آگے بڑھے اور لڑائی شروع ہوئی۔

بابر نے اپنی توزک میں اس وقت کا نہایت ہی دلچسپ اور بلاشبہ سچا بیان

درج کیا ہے یہاں صرف اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ اس کو ایسی کامل[1] فتح حاصل ہوئی۔ جس سے سارا راجپوتانہ اس کے قبضے میں آ گیا فوراً وہ بیانے کی طرف بڑھا۔ وہاں سے میوات پہنچا اور سارے صوبے کو اپنا مطیع کر لیا اس فتح سے صرف وہی صوبے ہاتھ نہیں آئے جو اس نے خود فتح کیے تھے۔ بلکہ دوآبے کے قصبے بھی جنھوں نے بغاوت اختیار کی تھی آکر قدمبوس ہوئے اور بعض شہر دوبارہ فتح کیے گئے جب دوآبے میں پورا پورا امن ہو گیا تو بابر نے وسط ہند کے ہندو راجاؤں پر جن کا سرگروہ اس وقت چندیری کا راجہ تھا۔ فوج کشی کی جب چندیری کے شہر اور قلعے کے پاس پہنچا۔ تو بابر کو خبر لگی کہ اس کے فوجی افسر جو پورب میں تھے زک کھا کر مجبوراً لکھنو سے پیچھے ہٹ کر قنوج آ گئے ہیں۔ گو یہ خبر بہت بری تھی۔ مگر اس کو سن کر وہ ذرا بھی ہراساں نہ ہوا۔ بدستور چندیری کے محاصرے پر جما رہا۔ اور چند روز میں قلعہ لے ہی لیا۔ اس علاقے کو سر کر کے وہ فوراً مشرق کی طرف بڑھا اور قنوج کے قریب ان افسروں سے جا ملا جو شکست کھائے پڑے تھے اور اس کے قریب دریائے گنگا پر پل ڈال کر دشمنوں کو جو لودھیوں کا بقیہ تھے بھگا دیا اور لکھنو پر دوبارہ قبضہ کر کے گومتی اور گھاگرا سے پار اتر کر شکستہ دل دشمنوں کو تتر بتر کر دیا۔ یہاں سے آگرے آیا تا کہ انتظام ملک کو جسے کچھ مدت چھوڑنا پڑا تھا پھر سنبھالے۔

لیکن اس کے نصیب میں امن سے بیٹھنا کہاں لکھا تھا۔ جونپور کے قدیم مسلمانوں نے ابھی پوری پوری اطاعت قبول ہی نہیں کی تھی۔ اور ابھی تک بہار کے زرخیز ملک پر جو جون پور کے متصل ہے۔ فوج ہی نہیں بھیجی گئی تھی۔ کہ ان اضلاع کے مسلمان امرا نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ ان دونوں علاقوں کی حکومت لودھی خاندان کے ایک شاہزادے کے سپرد کر دیں۔ یہ وہی شاہزادہ تھا جس نے بابر کے خلاف رانا سانگا کو مدد دی تھی۔ یہ سازش ایسی خفیہ طور پر ہوئی تھی کہ بابر کو یکم فروری

1۔ رانا سانگا سخت زخمی ہوا۔ اور اس کی فوج کے سرگروہ سردار مقتول ہوئے اسی سال بسوا کے مقام پر جو میوات کی سرحد پر ہے۔ رانا فوت ہو گیا۔

1529ء میں اس کے نتیجے کی خبر ہوئی۔ بابر کو دھولپور بہت پسند تھا۔ اس وقت بھی وہ وہیں موجود تھا۔ اور اپنے امراء کے ساتھ باغوں کی تیاری اور کتنی ہی طرح سے اس شہر کو ترقی دینے اور خوبصورت بنانے کی تجویزیں سوچ رہا تھا۔ اس کے بیٹے عسکری مرزا کی فوج موضع دک دکی میں جو دریائے گنگا کے بائیں کنارے پر اور کراہ[1] کے نزدیک ہے۔ پڑی ہوئی تھی۔ اسی دن بابر دھول پور سے آگرے آیا اور جتنی فوج اس کے پاس تھی ساتھ لے کر عسکری مرزا سے ملنے کے لئے دوسرے ہی دن روانہ ہوگیا۔ 27 تاریخ کو وہاں پہنچا۔ اور دیکھا کہ عسکری کی فوج دریا کے پار پڑی ہے۔ اس نے اس وقت شہزادے کو کہلا بھیجا کہ جس طرح میں دائیں کنارے پر کوچ کروں۔ اسی طرح تم بائیں طرف کنارے چلے آؤ۔

یہاں بابر نے بڑی وحشت ناک خبر سنی کہ محمود لودھی کے جھنڈے تلے ایک لاکھ دشمن جمع ہیں اور اس کا اپنا ایک سردار مسمی شیر خاں بھی جس پر اس نے کتنے ہی احسان کئے تھے باغیوں کے ساتھ جا ملا اور اپنی فوج لے کر بنارس پر قابض ہوگیا ہے اور محمود لودھی نے چنار کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ جو بنارس سے 26 میل ہے۔

بابر فوراً بڑھا اور محمود لودھی کو چنار پر سے محاصرہ اٹھا لینے کے لئے مجبور کیا۔ اور شیر خاں کو بنارس خالی کر کے دریائے گنگا کے پار اُتر جانے کے لئے اور خود کرم ناسا ندی سے پار اُتر کر چوسا اور بکسر کے پرے اس مقام پر ڈیرے ڈال دیئے جہاں یہ ندی گنگا سے ملتی ہے۔ پھر وہاں سے آگے بڑھا اور دشمن کو آگے سے ہٹاتا ہوا آرہ پہنچا۔ یہاں اب بہار کی حکومت بابر کے ہاتھ آگئی اور پھر یہ خبر بھی سنی کہ محمود لودھی چند ہمراہیوں سمیت شاہ بنگال کے پاس پناہ گزین ہوا ہے۔

نصرت شاہ بادشاہ بنگالے کی شادی محمود لودھی کی بھتیجی سے ہوئی تھی اور بابر کے ساتھ ایک طرح پر اس کا معاہدہ ہو چکا تھا۔ کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے ملک پر حملہ نہ کرے گا لیکن اس عہد و پیمان کو بالائے طاق رکھ کر اس

1۔ کراہ کے اب کھنڈر پڑے ہیں۔ اور کشتری الہ آباد کے اسی نام کے ضلع اور تحصیل میں واقع ہیں۔ بابر اور اکبر کے زمانے میں یہ شہر بڑا بارونق پر تھا۔

نے سارن یا چھپرے کے علاقے پر تسلط کر لیا اور جہاں دریائے گھاگرا گنگا سے ملتا ہے۔ وہاں اپنی فوج کو ایسے موقع پر قائم کر دیا کہ اس سے حفاظت بخوبی ہو سکتی تھی۔ بابر نے مستقل ارادہ کر لیا کہ بنگالے کی فوج کو یہاں سے نکال دیا جائے اور وہ سمجھ گیا کہ اس میں کامیاب ہونے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے یعنی جنگ آزمائی۔ چنانچہ اپنی فوج کے چھ دستے بنائے اور حکم دیا کہ چار تو شہزادہ عسکری کے ماتحت جو دریائے گنگا کے بائیں طرف تھا۔ دریائے گھاگرا سے پار اتر کر دشمن پر دھاوا کریں۔ اور ان کو چھاونی سے باہر نکال کر گھاگرا کے اوپر کی طرف بھگا دیں۔ اور دو اس کی اپنی نگرانی میں گنگا کو عبور کر کے گھاگرا سے پار ہوں اور دشمن کو فوج پر حملہ کریں اور اس کو فوج کے بڑے حصے سے علیحدہ کر دیں۔ 6 مئی کو باپ بیٹے دونوں نے مل کر اس تجویز پر عمل کیا اور پوری پوری کامیابی ہوئی فوج بنگالہ نے شکست فاش کھائی اور ایسی فتح ہوئی کہ اس کو قطعی کہہ سکتے ہیں۔ بنگالے کے ساتھ صلح ہو گئی اور شرائط یہ ہوئیں کہ وہ صوبہ جس کو آج کل مغربی بہار کہتے ہیں۔ بابر کے سپرد ہو اور دونوں میں سے کوئی دوسرے کے دشمنوں کی مدد نہ کرے اور نہ کوئی دوسرے کے ملک میں خلل ڈالے۔

یہاں تک میں نے جو مختصر حال بابر کے نمایاں کارناموں کا لکھا ہے وہ اسی نامور شخص کی سوانح عمری سے اخذ کیا ہے۔ جو اس نے خود تصنیف کی ہے اس کے علاوہ اور کوئی بڑی بات قابل ذکر نہیں بہار سے فتح پا کر جب واپس آیا تو اس کی صحت میں ایسی جلدی جلدی فرق آنے لگا کہ اس کا اخفا نہ ہو سکا یہاں تک کہ بدخشاں میں اس کے بڑے بیٹے ہمایوں کو جو وہاں کا حاکم تھا اس کی علالت کی خبر جا پہنچی اس نے اپنے بھائی ہنداں مرزا کو اپنا علاقہ سپرد کر کے آگرے کی راہ لی اور 1530ء کے شروع میں یہاں آ پہنچا۔ باپ نے بڑی محبت سے چھاتی سے لگا لیا اور اس نے اپنے حسن اخلاق اور چیٹ پٹی ظرافت اور خوش اسلوبی سے تھوڑے ہی عرصے میں اپنے بہت سے دوست بنا لئے۔ ہمایوں کو یہاں آئے ہوئے چھ مہینے ہی

ہوئے تھے کہ اسے ایک سخت بیماری لاحق ہوگئی۔ جب بیماری بڑھ گئی۔ اور شہزادہ نو عمر کی زندگی کی امید نہ رہی تو ایک ایسا واقعہ ہوا جس سے ثابت ہو گیا کہ بابر میں ذرا بھی خود غرضی نہ تھی اور وہ ہمایوں سے کس درجے کی محبت رکھتا تھا۔ اس کا بیان توزک کے ضمیمے میں اس طرح کیا گیا ہے۔

''جب علاج سے ناامیدی ہوگئی اور حکمائے حاذق بادشاہ کے ساتھ لڑکے کی افسوسناک حالت کا ذکر کرنے لگے تو ابوالبقا نے جو علم اور دینداری میں بڑا قابل تعظیم سمجھا جاتا تھا بابر سے کہا کہ ایسی حالت میں اگر مریض کی زندگی کے عوض میں اس کا کوئی رفیق اپنی نہایت بیش قیمت چیز خدا کی راہ میں دے تو خدا تعالیٰ اسے قبول فرمالیا کرتا ہے۔ بابر نے با آواز بلند کہا کہ ''جیسے ہمایوں کی زندگی مجھے پیاری ہے ویسے ہی میری زندگی ہمایوں کو سب سے عزیز ہے۔ اس لئے میں اپنی زندگی کو اس پر تصدق کرتا ہوں اور دعا مانگی کہ خدا تعالیٰ اسے قبول کرلے'' اس کے امرا نے اس کام سے باز رہنے کے لئے اسے بہتیرا سمجھایا مگر اس نے نہ مانا کہتے ہیں کہ اپنا ارادہ مصمم کرکے جاں بلب شہزادے کے پلنگ کے گرد تین بار اس طرح پھرا جس طرح کہ اہل اسلام کسی پر قربان ہونے کے وقت پھرا کرتے ہیں اور پھر گوشے میں جاکر بڑے صدق دل سے دعا مانگی۔ کچھ دیر کے بعد یہ آواز زور سے اس کے منہ سے نکلی ''میں نے بیماری لے لی۔ لے لی'' مسلمان مورخین بیان کرتے ہیں کہ اسی وقت سے ہمایوں جتنا اچھا ہوتا گیا بابر کی طاقت اتنی ہی گھٹتی گئی۔ 1530ء کے اخیر تک وہ بیمار رہا۔ 26 دسمبر کو چار باغ کے محل میں جو آگرے کے قریب ہے اس کی روح اس قالب خاکی سے پرواز کرگئی اس وقت اس کی عمر ایک کم پچاس برس کی تھی اس کی وصیت کے مطابق لوگ اس کے جنازے کو کابل لے گئے اور ایک دلفزا مقام میں شہر سے ایک میل کے فاصلے پر دفن کیا۔

دنیا کے مشہور فاتحوں میں بابر کا پایہ ہمیشہ اونچا رہے گا۔ اس کا عروج اس کے چال چلن کے طفیل ہوا۔ ورثے میں تو صرف ایک برائے نام چھوٹی سی ریاست وسط

ایشیا میں اس کو ملی تھی۔ لیکن مرنے کے وقت اس کے پاس ایک وسیع سلطنت تھی جو کرم ناسا سے لے کر جیحوں تک اور نربدا سے لے کر ہمالہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ ہر حال میں خوش رہنا اس کی طبیعت کا خاصہ تھا۔ چونکہ دل کا فیاض تھا اوروں پر بھروسہ کر لیتا اور ہمیشہ بہتری کی امید رکھتا تھا اسی واسطے ہر ایک کو جسے اس کے ساتھ کچھ کام پڑتا اپنے دام محبت میں گرفتار کر لیتا تھا مشاہدۂ قدرت میں خوبصورت چیزیں خوب پرکھتا اور انہیں دیکھ دیکھ کر بڑا خوش ہوتا۔ اس نے اپنے ذہن خداداد کی یہاں تک تربیت کی تھی کہ اس کے زمانے میں معمول سے کہیں بڑھی ہوئی تھی۔ اُس کے خیالات بڑے پُر جوش اور وسیع تھے نئے نئے نقشے لا کر اس کے سامنے جما دیا کرتے تھے۔ جنگ اور ظاہری شان و شوکت بیشک اسے از حد پسند تھی۔ لیکن زمانہ امن کے فنون مفیدہ سے بھی غافل نہ تھا۔ جن قوموں کو مطیع کرتا ان کے حالات کی تحقیقات کرنے کو اپنا فرض سمجھتا اور ان کی بہتری کے لئے تجویزیں سوچتا۔ باغبانی، تعمیرات اور علم موسیقی کا بڑا شائق تھا اور شعر و سخن کا بھی اسے خاصہ محاورہ تھا لیکن اس کے چال چلن میں سب سے قابل قدر بات جو اس کی عادتوں سے واقف کار حیدر مرزا نے اپنی تاریخ رشیدی میں لکھی ہے یہ تھی کہ ''فیاضی اور خدا ترسی اس کی سب صفتوں سے بڑھ کر تھی'' اگرچہ اس نے ساری عمر ملک گیری میں ہی صرف کی اور گو اس کو بنیاد سلطنت کے استحکام کے لئے کافی وقت نہ ملا۔ لیکن ملک گیری کا کام ایسا احتیاط کا کام ہے کہ خدا اسی شخص کو اس پر مامور کرتا ہے جو سارے عیبوں سے مبرا ہو اور بابر اس کام کے لئے ہمہ صفت موصوف تھا۔

بابر کے چار لڑکے تھے محمد ہمایوں مرزا جو 5 اپریل 1508ء کو پیدا ہوا تھا اور اُس کی جگہ تخت نشین ہوا۔ کامران مرزا، ہندال مرزا اور عسکری مرزا، مرنے سے پیشتر اس نے اپنے اراکین سلطنت کا ایک خاص جلسہ کیا۔ اس میں ہمایوں کو اپنا جانشین مقرر کر کے آخری نصیحتیں اس کو کیں۔ بڑا زور اس نے ان باتوں پر دیا کہ خدا اور انسان کے فرائض ایمانداری سے ادا کرنا۔ عدالت بڑی دیانت و جانفشانی سے کرنا۔ مجرموں

کو سزا دینا مگر جو نا واقف ہوں اور توبہ کریں ان کے ساتھ نرمی اور رحم سے پیش آنا۔ مفلسوں اور بیکسوں کی حفاظت کرتے رہنا۔ علاوہ ازیں اس نے ہمایوں کو یہ بھی سمجھایا کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ مہربانی اور محبت سے پیش آتے رہنا۔

یہ نامور شہنشاہ اس طرح پر اپنے عالم شباب میں راہی ملک بقا ہوا۔ خاندان مغلیہ کو اس نے ہندوستان میں داخل کیا اور شمال مغربی صوبے اور چند وسطی اضلاع فتح کر کے اس خاندان کے لئے ملک پر حق پیدا کر دیا۔ اوصاف تو بے شمار تھے۔ مگر ہندوستان کے مفتوح صوبجات میں ایسا انتظام قائم کرنے کی اس کو فرصت نہ ملی۔ نہ یہ موقع ملا کہ جس سے یہاں کی اقوام مختلف آپس میں مل جل کر شیر و شکر ہو جائیں۔ مگر ہمیں اس امر میں شک ہے کہ جیسا یہ الوالعزم تھا ویسی ہی مختلف اقوام کو باہم شیر و شکر کر دینے کے لئے قوانین بنانے کے اعلیٰ درجے کی لیاقت بھی اس میں تھی یا نہیں۔ کیونکہ کسی موقع پر بھی اس سے ایسے آثار نمایاں نہیں ہوئے جن سے یہ شک رفع ہو جاتا۔ کابل اور ہندوستان میں برابر یہ پہلے فاتحوں کے دستور پر چلتا رہا۔ جس کے مطابق مفتوح صوبجات اور اضلاع اپنے ہمراہیوں کو دیئے جاتے تھے۔ جو ان صوبوں کے نیک و بد کے صرف بادشاہ کے دربار میں جوابدہ ہوا کرتے تھے۔ اور وہاں کی حکومت اپنے اپنے طریق پر کیا کرتے تھے پس ایسا ہی ہوا کہ جب اس نے وفات پائی۔ تو ہندوستان کے وہ صوبے جو اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کرتے تھے ایک دوسرے سے صرف اتنا ہی تعلق رکھتے تھے آگرے کا لکھنو سے کچھ واسطہ نہ تھا اور نہ دہلی کا جونپور سے ہر ایک صوبے کی حد سے گزرنے کے لئے بھاری محصول مقرر تھے ہر ایک میں جدا جدا قومیں رہتی تھیں۔ اور ان میں اگر رشتہ تھا تو صرف یہی تھا کہ وہ سب بابر کے ماتحت تھیں۔ ہمایوں کو چند ایسے ممالک ورثے میں ملے جو اتفاق یا اغراض مشترکہ کے سبب ایک دوسرے سے پیوستہ نہ تھے۔ قصہ کوتاہ جب بابر نے وفات پائی تو اس نے بھی اگلے مسلمان شاہی خاندانوں کی طرح خاندان مغلیہ کو ایسی ہی حالت میں چھوڑا کہ اس کی جڑ ہندوستان میں نہیں جمی تھی۔

چھٹا باب

ہمایوں کی گردشِ ایام اور اکبر کا بچپن

ہمایوں اگرچہ شجاع، فیاض، رحم مجسم، زندہ دل، ظریف ہر ایک کو جلد گرویدہ کر لینے والا اور اعلیٰ درجے کا تعلیم یافتہ تھا۔ مگر خاندان شاہی کی بنیاد کو دیرپا اصولوں پر قائم کرنے کی لیاقت اپنے باپ سے بھی کم رکھتا تھا اس کے بے تعداد اوصاف حمیدہ کے ساتھ ہی اس میں کئی ایسے عیب بھی تھے جو ان خوبیوں کو کم کئے دیتے تھے یعنی وہ طبیعت کا چلبلا، کم سمجھ اور متلون مزاج تھا ادائے فرض کا پورا پورا خیال رکھنے کی اسے عادت نہ تھی اس کی فیاضی بگڑتے بگڑتے کمزوری طبع تک پہنچ جایا کرتی تھی۔ اس میں یہ لیاقت نہ تھی کہ کچھ عرصے تک باقی تمام جھگڑوں سے یکسو ہو کر کسی بڑے بھاری کام میں ہمہ تن مصروف ہو جائے۔ انتظام ملک کے لئے وسیع قوانین رائج کرنے کی نہ تو اسے عقل تھی اور نہ رغبت۔ غرض وہ اس مفتوح ملک کو سنبھالنے اور مستحکم کرنے کے قطعی قابل نہ تھا جو اس کا باپ اسے دے مرا تھا۔

اُس کی تخت نشینی کے بعد کے آٹھ برس کا مفصل حال بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ اس کا انتظام ایسا خراب تھا کہ جو قومیں اس کے زیر حکومت تھیں اس پر اتنا کم اعتماد رکھتی اور اس کی اتنی کم عزت کرتی تھیں کہ جب ماہ اپریل 1540ء میں شیر خاں سوری نامی ایک سردار نے قنوج کے مقام پر اُس کو شکست دی تو دفعۃً سارا بنا بنایا انتظام خاک میں مل گیا۔ شیر شاہ نے بابر کی تو اطاعت قبول کر لی تھی مگر ہمایوں کے مقابلہ پر کھڑا ہو گیا اور بعد ازاں اسی کی جگہ شیر شاہ کے خطاب سے ملقب ہو کر بادشاہ بن گیا۔ چند معرکوں کے بعد ماہ جنوری 1541ء میں ہمایوں تھوڑے سے ہمراہیوں

کے ساتھ روڑھی میں جو ملک سندھ میں دریائے اٹک کے جزیرہ بھکر کے مقابل ہے پناہ گزیں ہوا اور جو کچھ اس کو ورثے میں ملا تھا سب کھو بیٹھا۔

ہمایوں نے سب ملا کر ڈھائی برس ملک سندھ میں قدم جمانے کی بے فائدہ کوشش میں صرف کیئے اس کے یہاں قیام رکھنے کے زمانے میں سب سے بڑھ کر قابل یادگار واقعہ یہ ہوا کہ 15 اکتوبر 1542ء کو اس کے ہاں ایک فرزند ارجمند پیدا ہوا جس کا نام اس نے جلال الدین محمد اکبر رکھا۔ اب ہم ان واقعات کا ذکر کرتے ہیں جن کا یہ نتیجہ ظاہر ہوا جو تاریخ ہند میں بڑا مشہور ہے۔

1541ء میں ہمایوں کی فوج بھکر کا محاصرہ کیئے پڑی تھی۔ اور ہمایوں نے اپنے بھائی ہندال مرزا کو صوبہ سہوان پر حملہ کرنے اور قابض ہو جانے کے لئے مامور کر رکھا تھا۔ اس کی طرف سے مشتبہ ہو کر اس کے ساتھ پاتر کے مقام پر ملاقات ٹھہرائی۔ یہ شہر دریائے سندھ سے مغرب کی طرف کوئی 20 میل کے فاصلے پر ہے۔ وہاں اس نے دیکھا کہ ہندال مع اپنے امرا کے شاہانہ استقبال کرنے کے لئے موجود ہے بہت سے جشن اور دربار ہوئے ہندال کی ماں نے جو ہمایوں کی سوتیلی ماں تھی بڑی ضیافت کی جس میں اُس نے تمام امرا کی بیویوں کو مدعو کیا ان میں ایک لڑکی حامدہ ہمایوں کی نظر چڑھ گئی۔ یہ ایک امیر کی لڑکی تھی۔ جو ہندال مرزا کا اتالیق رہ چکا تھا۔ ہمایوں اس کے حسن پر ایسا فریفتہ ہوا کہ وہاں اس نے دریافت کیا کہ آیا اس لڑکی کی نسبت کسی کے ساتھ ہو چکی ہے یا نہیں اس کو یہ جواب ملا کہ کو قول اقرار ہو چکے ہیں مگر ابھی نسبت کی کوئی رسم ادا نہیں ہوئی ہے اس پر ہمایوں نے کہا "تو پھر اس سے میں شادی کروں گا" ہندال مرزا کو یہ امر ناگوار گزرا۔ اور اس نے ہمایوں کے اس فوری ارادے کی مخالفت کی۔ اور یہ دھمکی دی کہ اگر ہمایوں اس سے باز نہ آئے گا تو میں اس کی ملازمت سے دست بردار ہو جاؤں گا۔ ان دونوں بھائیوں میں یہاں تک رنجش بڑھ گئی کہ آپس کی ملاقات ترک ہو گئی مگر ہندال مرزا کی ماں اس ناطے سے راضی تھی اس کے سمجھانے سے ہندال مرزا بھی مان گیا۔ اور دوسرے دن حامدہ جس

کی عمر پورے چودہ برس کی تھی ہمایوں سے بیاہی گئی اور تھوڑے دن بعد میاں بیوی دونوں لشکر میں چلے گئے جو بھکر کے آگے پڑا ہوا تھا۔

زمانہ ہمایوں کی مخالفت پر کمربستہ تھا جو تجویزیں وہ کرتا تھا سب الٹی پڑتی تھیں آخر 1542 کے موسم بہار میں اس کو اپنی نوجوان بیوی سمیت مارواڑ کے ویران ریگستان میں بچنے کے لئے بھاگنا پڑا۔ اگست میں جیسلمیر پہنچے لیکن وہاں کے راجہ نے بھی ان کو نکال دیا۔ اوران کو ایک صحرا عبور کرنا پڑا۔ رستے میں پانی نہ ہونے کے سبب بڑی سخت تکلیفیں اٹھائیں مگر بڑی بہادری سے ان سب تکالیف کا مقابلہ کر کے 22 اگست کو قلعۂ امرکوٹ میں پہنچے۔ جو ریگستان کی حد پر ہے وہاں کے رانا نے ان کی بڑی تواضع کی اور وہیں 15 اکتوبر کو اتوار کے دن حامدہ بیگم کے بطن سے اکبر تولد ہوا اس وقت ہمایوں وہاں نہ تھا۔ چار دن سے علاقۂ جون پر حملہ کرنے کے لئے گیا ہوا تھا جونہی اس کو اکبر کے پیدا ہونے کی خبر پہنچی جو الفاظ اس کے منہ سے نکلے وہ لائق ہیں کہ قلمبند کئے جائیں ایک شخص جو اس کی خدمت میں حاضر تھا یوں لکھتا ہے کہ جب شہنشاہ خدا تعالیٰ کا شکر بجالا چکا تو امرا ایک ایک کر کے پیش ہوئے اور سب نے مبارکبادیاں دیں اس وقت ہمایوں نے جوہر کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ میں نے کیا تیرے سپرد کیا ہے۔ (یہ وہی جوہر تھا جس نے تذکرۃ الواقعات تصنیف کیا ہے۔) جوہر نے جواب دیا ''دوسو شاہ رخی یعنی خراسانی اشرفیاں ایک چاندی کا کنگن اور ایک مشک نافہ اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اشرفیاں اور کنگن تو ان کے مالکوں کو واپس دلوا دیا گیا ہے'' یہ سن کر ہمایوں نے مشک نافہ حاضر کرنے کا حکم دیا چینی کی رکابی میں رکھ کر اس کو توڑا اور امرا کو بلا کر شہزادے کے پیدا ہونے کی خوشی میں تقسیم کیا جوہر لکھتا ہے کہ ''اس واقعہ کی خوشی سے ساری دنیا معطر ہو گئی''

لڑکے کے پیدا ہوتے ہی باپ کے کچھ دن پھرنے لگے۔ جولائی 1543ء میں ہمایوں کو مجبوراً ملک سندھ چھوڑنا پڑا۔ اور اپنے بیوی بچے اور تھوڑے سے ہمراہیوں

سمیت قندھار پہنچنے کے ارادے سے روانہ ہوا۔ وہ ابھی شال[1] ہی میں پہنچا تھا۔ کہ خبر لگی کہ اس کا بھائی عسکری مرزا بہت سی فوج لے کر نزدیک آ پہنچا ہے۔ اب ضرور ہوا کہ یہاں سے فوراً بھاگ جائیں وہ اور اس کی بیوی تو تیار تھے لیکن ایک برس کے بچے کو کیا کرتے کہ وہ سخت موسم گرما میں گھوڑے پر بگٹٹ سفر کرنے کے قابل نہ تھا یہ خیال کر کے کہ چچا شیر خوار بچے سے کیا جنگ کرے گا۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس بچے کو مع اس کی انا اور دائیوں اور سارے مال و اسباب کے وہیں چھوڑ جائیں۔ چنانچہ وہ خود چل نکلے۔ اور بڑی بڑی منزلیں طے کر کے صحیح و سلامت ایران کی سرحد پر جا پہنچے یہ روانہ ہوئے ہی تھے کہ عسکری مرزا آ پہنچا۔ بھائی کے بھاگ جانے کے افسوس کو ملائم الفاظ سے پوشیدہ رکھ کر اس نے صغیر سن شہزادے کو چھاتی سے لگایا اور اس کو قندھار بھیج دیا جہاں کا یہ حاکم تھا اور اپنی بیگم کی خاص نگرانی میں اس کو رکھا اور اس کی انا اور دائیاں بدستور اس کی خدمت کے لئے رہیں۔

1544ء میں تمام سال تک اس خورد سال شہزادے کی اسی طرح احتیاط سے نگرانی ہوتی رہی لیکن اگلے سال کے شروع ہی میں اس کی حالت میں تبدیلی واقع ہوئی۔ کیونکہ اس کا باپ اس فوج کی مدد سے جو شاہ طہماسپ نے اس کو دی تھی۔ ریگستان کے بیچوں بیچ میں سے گزر کر قندھار پر آ پہنچا اور مغربی افغانستان پر حملہ آور ہوا۔ کامران نے ہمایوں کی اس حرکت سے ڈر کر اور یہ خیال کر کے کہ مبادا وہ اپنے بچے کو چھین لے۔ تاکیدی حکم بھیجا کہ اکبر کو کابل بھیج دو۔ جب کامران کے معتبر افسر قندھار پہنچے تو عسکری مرزا کے امرا نے اس پر غور کرنے کے لئے ایک جلسہ کیا کہ آیا اس حکم کی تعمیل کی جائے یا نہیں بعض کی تو یہ رائے ہوئی کہ چونکہ اب ہمایوں کا ستارہ عروج پر ہے لڑکے کو معزز ہمراہیوں سمیت باپ کے پاس بھیج دینا چاہئے اور بعض نے یہ رائے دی کہ چونکہ شہزادہ عسکری مرزا اپنے بڑے بھائی سے دغابازی سے پیش آیا ہے اب کتنی ہی معافی مانگو۔ کچھ فائدہ نہیں ہوگا اس لئے بہتر ہے کہ کامران مرزا ہی

1- اس کو آج کل کوئٹہ کہتے ہیں۔ مترجم

کو بدستور رضامند رکھا جائے یہ پچھلی رائے غالب رہی اور اگرچہ جاڑے کا موسم اب کے خلاف معمول بہت سخت تھا تاہم شیر خوار شہزادہ اور اس کی ہمشیرہ بخشی بانو بیگم کو ان کے خدمتگاروں سمیت کابل بھیج دیا گیا۔ راستے میں نگہبانوں کو کئی طرح کی تشویشیں پیش آئیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ان کو یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ یہ بھاگ جانے کی کوشش کرتے ہیں غرض جوں توں کر کے یہ قافلہ امن وامان سے کابل پہنچ گیا اور وہاں کامران نے اپنے بھتیجے کو خانزادہ بیگم کے سپرد کر دیا جو بابر بادشاہ کی پیاری بہن تھی۔ اس نامور بیگم نے شہزادے کی قدیمی انا اور دائیوں اور خدمتگاروں کو بدستور قائم رکھا اور جتنے دن وہ وہاں رہے اس کی نگرانی میں رہے اس نے بھی بڑی محبت سے خبر گیری کی۔ مگر بدنصیبی سے اس کی نگرانی صرف چند ہی مہینے رہی۔ ہمایوں نے ماہ ستمبر 1545ء میں قندھار لے لیا جس سے کامران مرزا کو بڑا فکر پیدا ہو گیا یہ شکی اور حاسد تو تھا ہی اور سمجھتا تھا کہ اکبر کا اپنے قبضے میں رکھنا جادو کا اثر رکھتا ہے اس کے ذریعے سے ہمایوں کو جب چاہیں گے دبا لیں گے اس لئے لڑکے کو اپنی پھوپھی سے علیحدہ کر کے ایک معتبر رفیق کچ کلاں کے سپرد کر دیا۔ لیکن ان دنوں معاملات بہت جلدی جلدی کچھ کے کچھ ہو جایا کرتے تھے ہمایوں نے قندھار کا پختہ انتظام کر کے کابل پر فوج کشی کی اور نومبر کے پہلے ہفتے میں کابل کے مقابل جا ڈٹا۔ اور 15 تاریخ کو اسے مطیع ہونے کے لئے مجبور کر دیا۔ کامران بھاگ کر غزنی چلا گیا اور خوش نصیب باپ نے مدت کے بعد بیٹے سے مل کر کلیجہ ٹھنڈا کیا مگر اس کی ماں حامدہ بیگم سال آئندہ کے موسم بہار تک نہ آسکی۔ لیکن اسی اثنا میں کچ کلاں برطرف کیا گیا اور شہزادے کا سابق محافظ اتکہ خان[1] اپنے عہدے پر بحال ہوا۔

اس وقت تو اس بچے کا نیر اقبال اوج پر ہو گیا تھا لیکن جب جاڑے کا موسم آیا تو ہمایوں نے جو بدخشاں پر قابض ہو چکا تھا یہ ارادہ کیا کہ سخت سردی کے مہینے قلعۂ ظفر میں کاٹے۔ جو اس صوبے میں ہے وہ اس طرف آ رہا تھا کہ راستے میں اس کو ایسا خوف

1۔ اس کا اصلی نام شمس الدین محمد غزنوی تھا قنوج کی لڑائی میں جو 1540ء میں شیر شاہ کے ساتھ ہوئی۔ اس نے ہمایوں کی جان بچائی۔

ناک مرض لاحق ہو گیا کہ اس کی زیست کی امید نہ رہی۔ دو مہینے صاحب فراش رہ کر ہمایوں کو صحت ہوئی لیکن اسی اثناء میں کئی امرا اس خیال سے کہ اس کا خاتمہ ہونے کو ہے اس کے بھائیوں کے دربار میں چلے گئے۔ اور کامران اس فوج کی مدد سے جو اس کے خسر نے اس کو دی تھی دوبارہ کابل پر قابض ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی اکبر بھی اس کے قبضے میں آ گیا اس نے کابل میں آکر پہلا کام یہ کیا کہ اتکہ خاں کو برطرف کر کے ایک اپنا ملازم اس کی جگہ مقرر کر دیا۔

ہمایوں میں ابھی پوری طاقت نہ آئی تھی کہ اس نے اپنا دارالخلافہ لینے کے لئے پھر کوچ کیا کامران کی عمدہ ترین فوج کے ایک دستے کو شکست دے کر اس نے کوہ عقابین پر جس کے نیچے سارا شہر واقع ہے اپنے مورچے جمائے اور شہر پر گولہ باری شروع کی اور چند روز کے بعد گولے ایسی شدت سے برسائے اور اس قدر نقصان ان سے ہوا کہ اس کو روکنے کے لئے کامران نے اپنے بھائی کو یہ کہلا بھیجا کہ اگر توپیں بند نہ ہوں گی تو میں جہاں گولے بہت پڑتے ہیں وہاں اکبر کو شہر کی دیوار پر کھڑا کر دوں گا[1] ہمایوں نے فوراً حکم دیا اور گولہ باری بند ہو گئی۔ مگر محاصرہ بدستور رہا آخر 28 اپریل 1547ء کو شہر فتح ہو گیا۔ اور ہمایوں اس میں داخل ہوا کامران ایک رات پہلے ہی بھاگ گیا تھا۔

کامران نے بدخشاں میں پناہ لی ہمایوں نے وہاں اس کا پیچھا کیا لیکن آئندہ جاڑے کے موسم میں اس نے کئی نہایت طاقتور امرا نے بغاوت اختیار کی اور کامران سے جا ملے کئی دفعہ کوچ کرنے اور واپس آنے کے بعد ہمایوں نے 1547ء کی گرمی کے موسم میں اپنے شمالی ملک کے انتظام کرنے کا پختہ ارادہ کیا۔ پھر وہ اکبر اور اکبر کی ماں کو ساتھ لے کر جون کے مہینے میں کابل سے روانہ ہوا گلبن پہنچ کر ہمایوں نے اکبر اور اس کی والدہ کو تو کابل واپس بھیج دیا اور آپ تلی کان کی طرف کوچ کر کے کامران کو

1۔ ابوالفضل نے اکبر نامے میں یہ تحریر کیا ہے کہ اکبر کو کھڑا کر دیا گیا تھا اور حیدر مرزا دوغلاتی فرشتہ اور مورخین بھی یہی لکھتے ہیں مگر بایزید نے جو وہاں موجود تھا اور جس نے تحقیق کا بڑا افضل بیان کیا ہے اس کا ذکر نہیں کیا۔ مگر جوہر ہمایوں کی توزک میں جو اس نے خفیہ طور پر لکھی ہے اس روایت کو اسی طرح بیان کرتا ہے جس طرح میں نے کی ہے۔

ایسا زچ کیا کہ اس نے مجبور ہو کر اطاعت قبول کر لی اسی طرح اپنے شمالی علاقے کا انتظام کر کے ہمایوں۔ جس کو ابھی تک شہنشاہ ہی کہتے تھے کابل واپس آ گیا۔

ہمایوں 1549ء کے موسم بہار میں پھر کابل سے نکلا کہ بلخ پر اپنی قسمت آزمائی کرے جو مغربی تدوز ملک میں واقع ہے مگر قوم ازبک نے اس کو پیچھے ہٹا دیا اور بعد ازاں 1550ء کا موسم سرما بسر کرنے کے لئے کابل آیا پھر ایک عجیب واقعہ پیش آیا ہمایوں کے پیچھے ہٹنے کا بڑا باعث یہ تھا کہ جب ہمایوں نے بلخ پر حملہ کیا تو کامران اس کے ساتھ نہ مل سکا بعد ازاں اس نے علانیہ بغاوت اختیار کی۔ ہمایوں کے شکست کھانے کے بعد دریائے جیحوں یا آمو کے علاقے پر اس نے ایک حملہ کیا جس میں ناکام رہا اور ہمایوں کو اپنی اطاعت کا پیغام بھیجا اس وقت اکبر کی عمر آٹھ برس کی تھی اور محمد قاسم خاں برلاس اس کا اتالیق تھا۔ ہمایوں کابل کی حکومت ان کے سپرد کر کے بھائی کو اپنے قابو میں لانے کے لئے روانہ ہوا۔ مگر ایسی بے احتیاطی سے اس نے کوچ کیا کہ کامران۔ جس نے خوب سوچ سمجھ کر چڑھائی کی تھی وہ قپچاق کی اونچی حد پر ایسی بے خبری میں اس پر آ پڑا کہ مجبوراً ہمایوں کو بھاگ کر جان بچانی پڑی۔ بھاگتے بھاگتے ہمایوں سخت زخمی ہو گیا تاہم جوں توں کر کے درہ سیرتن کی چوٹی تک صحیح وسلامت پہنچ گیا یہاں آ کر اس کو کچھ بہت اندیشہ نہ رہا اسی اثنا میں کامران نے حملہ کر کے کابل پر قبضہ کر لیا اور اکبر تیسری دفعہ اپنے چچا کے قابو میں آیا ہمایوں نے اس نقصان کو چپکے سے برداشت نہیں کیا۔ بلکہ اپنے رفیقوں کو جمع کر کے پہاڑوں سے پار ہوا۔ اور پھر شہر کی طرف بڑھا۔ جب شتر گردن پہنچا تو دیکھا کہ کامران کی فوج جنگ کے لئے تیار کھڑی ہے چند روز صلح کے عہد و پیمان ہوتے رہے مگر ان سے کچھ بات نہ بنی۔ اور ہمایوں نے حملہ کرنے کا حکم دے دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمایوں کو کامل فتح نصیب ہوئی۔ اور کامران بھاگ گیا۔ ہمایوں کو بڑا خدشہ تھا کہ کہیں کامران بھاگتے وقت اس کے بیٹے کو بھی ساتھ نہ لے گیا ہو لیکن شہر میں داخل ہونے سے پیشتر ہی احسان اختہ کے ساتھ جس کے وہ سپرد تھا۔ اکبر باپ کے لشکر میں آ گیا جس سے ہمایوں کو بڑی تسکین ہو گئی

اور خوشی خوشی اگلے دن شہر میں داخل ہو گیا۔

اب کی دفعہ فتح قطعی اور دیرپا ہوئی انعام واکرام تقسیم کرتے وقت ہمایوں نے اپنے لڑکے کو محروم نہ رکھا چرخ کا ضلع اکبر کو اس نے جاگیر میں عطا کیا۔ اور حاجی محمد خاں سیستانی کو اس کا وزیر اور اتالیق مقرر کیا۔ سال آئندہ میں وہ باعث جن سے ہمایوں کو تکلیفیں ہوا کرتی تھیں ایک ایک کر کے رفع ہو گئے کامران نے پھر ایک دفعہ جنگ آزمائی کی لیکن ایسی جوانمردی سے اس کا تعاقب ہوا کہ اس کو مجبوراً مطیع ہونا پڑا یہ واقعہ اگست 1553ء کا ہے اب کامران مرزا کو جلاوطن کیا گیا جہاں چار سال بعد اس نے وفات پائی ایک دوسرا بھائی ہندال مرزا کامران کے تعاقب میں اٹھارہ مہینے پیشتر ہی مقتول ہو چکا تھا تیسرا بھائی عسکری مرزا بھی جس کی طبیعت میں بے وفائی حد سے زیادہ بیٹھ گئی تھی 1551ء[1] میں مکے میں جلاوطن کر دیا گیا تھا گو ابھی وہ زندہ تھا مگر کچھ ایذا نہ پہنچا سکتا تھا بھائیوں کے ہاتھ سے اس طرح رہائی پا کر ہمایوں نے کشمیر فتح کرنے کا ارادہ کیا لیکن اس کے امرا اور اس کی سپاہ اس حملے کے اس قدر مخالف تھی کہ ہمایوں کو اپنی مرضی کے برخلاف اپنا ارادہ فسخ کرنا پڑا۔ صرف دریائے اٹک کے عبور کر لینے ہی کو غنیمت سمجھا جب دریائے سندھ اور جہلم کے بیچ کے ملک میں خیمہ زن تھا تو اس نے حکم دیا کہ پشاور کے قلعے کی اس طرح مرمت کریں کہ از سر نو بڑھا کر تعمیر کیا جائے ہندوستان پر حملہ کرنے کا اسے اس وقت بھی خیال تھا اور اس کی بڑی خواہش یہ تھی کہ دروں کے پار کوئی ایسی جگہ ہو جہاں اس کی فوج جمع ہو سکے اس تعمیر پر اس نے اس قدر زور دیا کہ 1554ء کے اختتام کے قریب قلعہ تیار ہو گیا پھر وہ کابل واپس چلا گیا اس کے بعد موسم سرما کے اختتام میں جو مواد ہندوستان میں پکتا رہا تھا موسم بہار کے شروع میں پھوٹ نکلا اور ایسی نازک حالت ہو گئی جس سے ہمایوں کو اپنی تجاویز کو عمل میں لانے کا موقع مل گیا۔

1- یہ 1558ء میں فوت ہوا۔

ساتواں باب

ہمایوں کی ہندوستان پر فوج کشی اور وفات

شیر خاں سوری نے ہمایوں کو 1540ء میں قنوج کے مقام پر شکست دے کر وہ ملک جو بابر نے فتح کیا تھا اپنے قبضے میں کر لیا بلکہ اس نے ساتھ کچھ اور بھی ملا لیا وہ ایک لائق شخص تو تھا لیکن ہمایوں کی طرح جس کو وہ نکال کر تخت نشین ہوا تھا اس میں بھی سلطنت کو مستحکم کرنے اور تمام صوبوں کو باہمی اتفاق کے ساتھ قبضے میں رکھنے کی لیاقت نہ تھی بلکہ اس کی طرز حکومت بھی یہی تھی کہ ملک میں کئی جگہ چھاؤنیاں ڈال رکھی تھیں اور انتظام کے لحاظ سے ہر ایک صوبہ اور ضلع ایک دوسرے سے جدا تھا۔ 1545ء میں کالنجر کے محاصرے میں جس وقت وہاں کا مضبوط قلعہ تسخیر ہوا اسی وقت اس کے ضرب شدید آئی جس سے اس نے وفات پائی۔ اس کا دوسرا بیٹا سلیم شاہ سوری جس کو سلطان اسلام بھی کہتے ہیں اس کی جگہ متمکن ہوا اور سات آٹھ سال حکومت کرتا رہا۔ اس کے ایام حکومت کا بڑا حصہ ان امرا کی بغاوتیں رفع کرنے میں صرف ہوا۔ جو اس کے ماتحت مختلف صوبوں پر حکمران تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرور یہ بات اس کے خیال میں تھی اگرچہ خفیف طور پر ہی کیوں نہ ہو کہ اس کے باپ دادا کی طرز حکومت کمزور ہے جب یہ فوت ہوا تو ایک نہایت ہی کم سن لڑکا اس کا جانشین رہ گیا تھا اس لئے امرا نے موقع پا کر فساد شروع کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تین دن کی برائے نام سلطنت کے بعد نو عمر شہزادہ مقتول ہوا۔ اور اس کے ماموں نے تخت پر قبضہ پا کر محمد شاہ عادل کے لقب سے عنان حکومت ہاتھ میں لی یہ شخص جاہل، ظالم پرلے درجے کا عیاش

اور کسی اصول کا پابند نہ تھا مگر خوش قسمتی سے ایک ہندو ہیموں نامی اس کا ملازم ہوگیا۔ یہ شخص ریواڑی علاقہ میوات کا ایک دکاندار تھا۔ عقل خداداد اس میں یہاں تک تھی کہ ہوتے ہوتے کل سلطنت کے اختیارات اسی کے ہاتھ آگئے مگر ہیموں کی لیاقت ان ممالک کی تباہی کو نہ روک سکی جو شیر شاہ سے اس کے بیٹے کو ورثے میں ملے تھے۔ ابراہیم خاں نے بیانے کے مقام پر بغاوت اختیار کی اور آگرے اور دہلی پر اپنا قبضہ کر کے بادشاہ بن بیٹھا۔ ستلج سے شمال مغرب کی طرف جو ملک ہے اس کا حاکم احمد خاں تھا اس نے پنجاب پر قبضہ کیا اور سکندر شاہ کا لقب اختیار کر کے بادشاہت کرنے لگا۔ شجاع خاں مالوے کا مالک بن بیٹھا اور مشرق صوبجات کے دو دعویدار ایک دوسرے کے مقابلے میں اٹھ کھڑے ہوئے ان جھگڑوں میں کچھ عرصے کے لئے سکندر شاہ نے بھی فروغ پایا۔ اس نے آگرے سے 20 میل فرح کے مقام پر ابراہیم کو شکست دی اور پھر کوچ کر کے دہلی پر قابض ہوا۔ وہ جونپور اور بہار پر قبضہ کرنے کے لئے تیاریاں کر ہی رہا تھا کہ اس کو کابل کی طرف سے خطرے کی خبر پہنچی۔

وہ واقعات جو اس کے پیچھے ہوئے خود تو کچھ ایسے بڑے نہ تھے مگر ان کے نتائج بڑے اہم نکلے۔ 1554ء کے نومبر میں ہمایوں تھوڑی سی فوج لے کر کابل سے دریائے سندھ کی طرف سے روانہ ہوا اور جوں جوں وہ آگے بڑھتا گیا اس کی فوج بھی بڑھتی گئی۔ اکبر بھی اس کے ساتھ تھا۔ 2 جنوری 1555ء کو دریائے سندھ سے عبور کر کے ہمایوں نے راولپنڈی کا راستہ لیا اور پھر کلانور کی طرف رخ کیا جو راوی کے پرلے طرف ہے وہاں اس نے اپنی فوج کے کئی حصے کئے اپنے سب سے عمدہ افسر بیرم خاں کو تو علاقہ جالندھر میں بھیجا خود لاہور کی طرف بڑھا اور وہاں سے اپنے خاص دوست ابوالمعالی کو دیپال پور پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ کیا یہ اس زمانے میں ایک مشہور مقام تھا اور ملتان اور لاہور کے درمیان کا ملک اس کے متعلق تھا۔

واقعات نے جلد اپنا رخ بدلا اور کچھ کے کچھ بن گئے بیرم خاں نے سکندر شاہ کی فوج کو ماچھی واڑے میں جو ستلج کے کنارے پر ہے شکست دی اور پھر شہر سرہند کی طرف کوچ کیا سکندر بہت سی جرار فوج ساتھ لے کر بڑی جلدی وہاں جا پہنچا کہ بیرم کو نیست و نابود کر دے۔ بیرم خاں نے اپنے گرداگرد خندق بنالی اور ہمایوں کو امداد کے لئے خطوط بھیجے۔ ہمایوں نے نوعمر اکبر کو روانہ کیا اور چند روز کے بعد خود بھی وہاں جا پہنچا۔ ان کے آنے سے پیشتر سکندر خاں پہنچ تو چکا تھا لیکن حملہ کرنے میں پس و پیش کر رہا تھا اس کشمکش و پیچ میں ہی اس کا کام بگڑ گیا ہمایوں نے پہنچتے ہی فوراً لڑائی شروع کر دی اور پوری فتح پائی۔ سکندر شاہ بھاگ کر شوالک پہاڑ کی طرف چلا گیا۔ اور ہمایوں اپنی مظفر و منصور فوج کے ساتھ دہلی کی طرف بڑھا۔ 23 جولائی کو اس نے شہر پر قبضہ کیا اور اپنی فوج کا ایک حصہ تو رہیلکھنڈ پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ دوسرا آگرے پر قبضہ کرنے کے لئے ابوالمعالی کو پنجاب پر قبضہ کرنے کے لئے پہلے ہی بھیج چکا تھا۔

ہمایوں کی تکلیفوں کا زمانہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ محمد شاہ عادل کا سپہ سالار اور وزیر اعظم ہیموں کالپی کے نزدیک جو دریائے جمنا کے کنارے پر واقع ہے تخت بنگالہ کے دعویدار کو جس نے ممالک مغربی و شمالی پر حملہ کیا تھا شکست دے چکا تھا اور اب یہ لائق سردار دہلی پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا سکندر شاہ بھی جو سرہند کے مقام پر شکست کھا چکا تھا پنجاب میں زندہ اور سلامت موجود تھا اب اس نے بھی ہاتھ پاؤں ہلانے شروع کئے۔ ان مشکلات کے باوجود ہمایوں نے یہ فیصلہ کیا کہ خود دہلی میں رہے۔ اور اکبر کو اس کے اتالیق بیرم خاں کے ساتھ پنجاب میں امن قائم کرنے کے لئے روانہ کرے۔

یہاں سے ہم پہلے اکبر کا حال قلمبند کرتے ہیں یہ شہزادہ جنوری 1556ء کے شروع میں سرہند پہنچا۔ اُس کے باپ کے کئی امرا جو ابوالمعالی کے تکبر سے ناراض ہو گئے تھے اس سے آملے پھلور کے مقام پر ستلج سے پار ہوا۔ پھر سلطان

پور پر حملہ کیا جو کانگڑے کے ضلع میں ہے اور وہاں سے سکندر شاہ کا تعاقب کرتا ہوا ہریانے پہنچا۔ جس دن یہاں پہنچا اسی دن اس کو خبر لگی کہ ہمایوں کے سخت ضرب آئی ہے آگے بڑھنا یہیں سے بند کر کے کلانور پہنچا۔ اور وہاں دہلی سے تحقیق خبر آنے کا منتظر رہا۔ چند ہی روز میں ایک مراسلہ جو ہمایوں کے حکم سے لکھا گیا تھا اس کو ملا جس میں لکھا تھا ''امید ہے کہ جلد آرام ہو جائے'' تھوڑی دیر بعد ایک اور سوار پہنچا۔ جو بادشاہ کے مرنے کی خبر لایا۔ بیرم خاں نے اسی وقت اکبر کو بادشاہ مشتہر کر دیا۔

یہ موقعہ تیرہ برس چار مہینے کے لڑکے کے لئے بڑا نازک تھا صوبہ پنجاب پر بے شک اس کا قبضہ تھا۔ اس کے ملازم، سرہند، دہلی اور غالباً آگرے پر قابض تھے لیکن وہ جانتا تھا کہ ہیموں دو فتحوں کی خوشی سے پھولا ہوا ہے۔ کیونکہ ایک اور دعویدار پر اس نے دوسری فتح حاصل کی تھی اور پچاس ہزار آدمیوں اور پانچ سو ہاتھیوں کے ساتھ محمد شاہ عادل کی حکومت بحال کرنے کے ارادے سے آگرے کی طرف آ رہا ہے چند روز کے بعد خبر پہنچی کہ وہ نائب السلطنت جو اس کے باپ نے کابل میں تعینات کیا تھا۔ باغی ہو گیا اس سے اکبر کی مشکلات اور بھی زیادہ ہو گئیں۔

اب ہمایوں کا حال سنو! وہ دہلی کے شاہی محل میں کتب خانے کی چھت پر چڑھ رہا تھا کہ اوپر کی سیڑھی سے اس کا پاؤں پھسل گیا اور نیچے آ پڑا۔ جس کی وجہ سے دو چار دن تک حالتِ نزع میں رہا اور اکثر اس پر بیہوشی طاری رہتی تھی آخر کار 24 جنوری کو شام کے وقت اس نے انتقال کیا اس وقت اس کی عمر 48 برس کی تھی۔ تردی بیگ خاں نے جو دہلی کے تمام امرا میں سب سے اعلیٰ مرتبے کا تھا اور اس وقت شہر کا حاکم تھا تمام انتظام فوراً اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ سب سے اول اس نے اس بات کی احتیاط کی کہ اس حادثے کی خبر عام لوگوں تک نہ پہنچے۔ تاوقتیکہ نوعمر اکبر کی تخت نشینی جس کو اس نے خاص قاصد بھیج کر اس واقعہ سے مطلع کیا تھا پختہ طور عمل میں نہ آ جائے سترہ دن تک ایک عجیب حکمت سے اس نے

بادشاہ کی وفات کو چھپائے رکھا پھر دس جنوری کو جمیع امرا کے ساتھ جامع مسجد گیا اور اکبر کے نام کا خطبہ پڑھوایا اور پھر ماہی مراتب اور زیورات شاہی کو افسران خانگی اور شاہی گارڈ کی حفاظت میں نئے شہنشاہ کی خدمت میں جو پنجاب میں خیمہ زن تھا۔ روانہ کر دیا اور ہمایوں کے بھائی کامران کے لڑکے کو بھی جو ممکن تھا کہ تخت کا دعویدار ہوتا۔ ان کے ساتھ بھیج دیا۔ اس کے بعد اس نے ہیموں کے حملے سے دارالخلافے کو محفوظ رکھنے کے لئے تجویزیں کیں۔

آٹھواں باب

اکبر کا اپنے باپ کے تخت کے واسطے لڑنا

یہ تو ہم لکھ چکے ہیں کہ اکبر کو اپنے باپ کے مرنے کی خبر اس وقت پہنچی جب وہ اپنی فوج کے ساتھ قصبۂ کلانور میں داخل ہونے کو تھا۔ اس وقت تک اس کو کابل کی بغاوت کی خبر نہ پہنچی تھی۔ اور نہ اس کے مشیر بیرم خاں کے دل میں اس بات کا خیال آیا تھا کہ ہیموں دہلی پر چڑھ آئے گا چند روز تک تو صرف یہی سمجھتے رہے کہ صرف ایک ہی دشمن کا سامنا ہے یعنی سکندر شاہ ہی سے لڑنا ہے جس کی سرکوبی کے لئے اکبر کے باپ نے اس کو پنجاب میں بھیجا تھا۔ سکندر شاہ نے ابھی تک ہتھیار نہیں ڈالے تھے وہ آہستہ آہستہ کشمیر کی طرف ہٹتا جاتا تھا۔ پس نوجوان بادشاہ اور اس کے مشیر کو یہی سوجھی کہ سب سے پہلے پنجاب کو قابو میں لانا اور یہ بات جب ہی حاصل ہوگی کہ سکندر شاہ کا پیچھا کیا جائے اسی غرض سے فوج کلانور سے سکندر کے تعاقب میں روانہ ہوئی۔ اور اس کو مان کوٹ کے قلعے میں پناہ لینے کے لئے مجبور کر دیا۔ یہ قلعہ کوہ شوالک کے نیچے کی دھاروں پر ہے چونکہ مان کوٹ کا قلعہ بڑا مضبوط تھا اور کابل اور ہندوستان سے وحشت ناک خبریں آئی تھیں اس لئے سرداروں نے اس کو غنیمت سمجھا کہ اس قلعے کا محاصرہ کرنے کے لئے کچھ فوج چھوڑ دی جائے اور خود جالندھر واپس جائیں۔

وقت بڑا نازک تھا کیونکہ نہ صرف کابل ہی میں بغاوت تھی۔ بلکہ ہیموں نے بغیر لڑے بھڑے آگرہ مفت لے لیا تھا اس کی فوج برابر بڑھتی چلی آتی تھی۔ اور پسپا شدہ فوج کو دہلی کی طرف دبائے جاتی تھی دوسرے دن یہ خبر پہنچی کہ دہلی کے نزدیک مغلیہ فوج کو ہیموں نے شکست دے دی اور دارالخلافے پر قابض ہو گیا اور تردی بیگ اپنی

بچی کچھی فوج سمیت سرہند کی طرف بھاگ گیا۔

جہاں کئی مشیر کار ہوں وہاں اکثر بات نہیں بنا کرتی ''دو ملاؤں میں مرغی حرام مشہور ہے'' جب اکبر نے ہیموں کی فتح کا حال سنا تو سارے جنگی افسروں کو جمع کر کے صلاح کی ایک کے سواسب نے یہی رائے دی۔ کہ کابل واپس چلا جانا چاہئے۔ کیونکہ اس پہاڑی شہر کو فتح کر لینے میں کچھ شک وشبہ ہی نہیں۔ اور جب تک ہندوستان پر از سر نو حملہ کرنے کے واسطے مناسب حال موقع نہ ملے اس وقت تک کابل میں ہی ٹھہرا رہنا چاہئے اور وہ اکیلا جوان سب کا مخالف تھا بیرم خاں تھا اس نے بڑے زور سے اس تجویز کی مخالفت کی۔ اور بڑے جوش میں آکر کہا کہ ستلج پار اتر کر تردی بیگ کے ساتھ جو سرہند میں ہے جا ملنا چاہئے اور وہاں سے ہیموں پر فوراً حملہ کر دینا مناسب ہے۔ دہلی کو ہم دو دفعہ لے چکے اور دو ہی دفعہ دے چکے ہیں جو کچھ ہو سو ہو۔ اس کو ایک دفعہ پھر ضرور فتح کر لینا چاہئے دہلی کے آگے کابل کیا چیز ہے جب ایک دفعہ دلی ہاتھ آجائے تو پھر کابل کو لے لینا کچھ بات نہیں اکبر نے بھی اسی رائے سے اتفاق کیا۔ اور فوراً ستلج کو عبور کرنے کا حکم دے دیا۔

اکبر اور بیرم نے یہ سوچ لیا کہ یا تو ہندوستان کی عظیم الشان سلطنت ہاتھ لگی ورنہ کابل کی چھوٹی سی ریاست تو کہیں گئی ہی نہیں ان کو اپنے رفیقوں کے ذریعے سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ہیموں پنجاب کی فتح کی تیاریاں کر رہا ہے کیونکہ پنجاب لئے بغیر دہلی کی فتح کامل فتح نہیں انہوں نے اپنی کامیابی کی نیک فال اسی میں دیکھی کہ یہ خود ہی آگے بڑھیں۔ اور اپنی ہی طرف سے لڑائی شروع کریں کیونکہ ایشیائی قومیں ہمیشہ اسی کو بڑی بات سمجھتی رہی ہیں۔ اکتوبر کے مہینے میں اکبر نے جالندھر سے کوچ کیا۔ اور دریائے ستلج سے پار اتر کر سرہند پر قابض ہو گیا وہاں تردی بیگ اور اور امرا جن کو ہیموں نے دہلی کی دیوار کے تلے شکست دی تھی اس سے آملے یہاں پہنچ کر ایک ایسا واقعہ ہوا جس نے اکبر کے دل میں اپنے اتالیق کی طرف سے جو اپنے اختیارات سے بڑھ کر کام کر بیٹھتا تھا۔ بغاوت کا پہلا بیج بویا۔ تردی بیگ ایک ترکی امیر تھا جو ہمایوں

اور اس کے بھائیوں کے جھگڑوں میں کبھی اس طرف کبھی اس طرف ہو جایا کرتا تھا۔ لیکن آخر کار وہ اکبر کے باپ ہی کا طرف دار بنا اور جب ہمایوں نے وفات پائی تو تردی بیگ ہی نے اپنی ہوشیاری اور نمک حلالی سے اکبر کی بااَمن تخت نشینی کی تجویز کی تھی حالانکہ کامران کا ایک لڑکا اس وقت دہلی میں موجود تھا یہ سچ ہے کہ بعض امرا کی رائے میں ہیموں سے شکست کھا کر اس نے دہلی خالی کرنے میں کسی قدر جلدی کی تھی لیکن جنگی کارروائی میں غلطی کھانا کوئی جرم نہیں ہے اور جب اکبر سرہند میں پہنچا تو یہ ایک طاقتور فوج لے کر اس سے آملا تھا۔ لیکن بیرم خاں اور تردی بیگ میں ہمیشہ سے حسد چلا آتا تھا بیرم خاں شیعہ تھا اور تردی بیگ سنی اس مذہبی اختلاف کے باعث بیرم خاں کے دل میں رشک بڑھ گیا جب تردی بیگ سرہند پہنچا۔ تو بیرم خاں نے اس کو اپنے خیمے میں بلوا کر قتل کر ڈالا[1] اکبر اس زبردستی سے سخت ناراض ہوا۔ اور بیرم خاں اپنی سرخروئی نہ کر سکا شاید اس نے یہ کہہ کر اپنا پیچھا چھڑا لیا ہوگا کہ ضبط قائم رکھنے اور امیروں کو پورا پورا فرمانبردار بنانے کے لئے ایسا ہی کرنا مناسب تھا۔

اسی اثنا میں ہیموں دہلی میں قیام کر کے فوج جمع کرتا رہا۔ اور راجائی کے خطاب کی خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا جب اس نے سنا کہ اکبر سرہند میں آ پہنچا۔ تو فوراً اپنا توپخانہ پانی پت بھیج دیا جو دہلی سے 53 میل شمال کی طرف ہے اور آپ اس کے پیچھے پیادوں اور سواروں کا لشکر لے کر روانہ ہونے کا ارادہ کیا۔ اکبر بھی سرہند سے پانی پت ہی کی طرف جا رہا تھا اور اس نے ابھی احتیاطاً یہ کیا تھا کہ دس ہزار سوار علی قلی خاں شیبانی کے ماتحت آگے روانہ کر دیئے تھے یہ سردار پہلے تردی بیگ کے ساتھ ہیموں سے دہلی میں لڑ چکا تھا۔ اور دہلی کو ایسی جلدی سے چھوڑ کر چلے آنے کے باب میں تردی بیگ کو منع

1۔ دیکھو Dowson's sir Henery Elliot's History of India as Told by its own Historian جلد 5 صفحہ 251۔ اور ونسنٹ صرف بداؤنی ہی ایسا مورخ ہے جو بیان کرتا ہے کہ اکبر نے اس ظالمانہ کام کے لئے ایک قسم کی اجازت دی تھی مگر ابوالفضل اور فرشتہ اس کے برعکس ہیں۔ بلاک مین صاحب (Blochmann) اپنے آئین اکبری کے قابل تعریف ایڈیشن میں بداؤنی کے بیان کی پیروی کرتے ہیں (دیکھو صفحہ 315) لیکن ساتھ یہ الفاظ اپنی طرف سے بڑھا دیتے ہیں۔ "اکبر غالباً رنجیدہ ہو گیا بیرم کی جلد بازی ان اسباب میں سے تھی۔ جن کی وجہ سے چغتائی امرا کا اس پر اعتبار نہ رہا تھا۔"

کرتا رہا تھا۔ علی قلی خاں پانی پت جا پہنچا اور ہیموں کی توپوں کو غیر محفوظ حالت میں دیکھ کر ان پر جا پڑا۔ اور سب پر قابض ہو گیا۔ اس کارنمایاں کے صلے میں اُس کو خان زمان کا خطاب ملا اور اسی نام سے اس کا تاریخوں میں ذکر آیا ہے اس نقصان عظیم نے ہیموں کا حوصلہ نہایت پست کر دیا کیونکہ لکھا ہے کہ یہ توپیں روم سے منگوائی گئی تھیں اور ان کی بڑی تعظیم کی جاتی تھی تاہم یہ بلا توقف پانی پت کی طرف چل کھڑا ہوا۔

اکبر اور بیرم 5 نومبر 1556ء کو صبح کے وقت پانی پت کے میدان کی طرف جا رہے تھے کہ انہوں نے ہیموں کی فوج کو اپنی طرف آگے دیکھا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ نوعمر شہزادے کے دل میں یہ خیال ضرور آیا ہوگا کہ پورے 30 برس ہوئے اس کے دادا بابر نے اسی میدان میں خاندان لودھی کو مغلوب کر کے ہندوستان کی سلطنت حاصل کی تھی اس وقت اس کے مقابلے پر اس غاصب کی فوج تھی جس نے اپنا حق قائم کرنے کے لئے سوری خاندان میں شادی کر لی تھی یہ وہی خاندان ہے جس نے اس کے باپ کو ملک ہند سے نکالا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ لڑائی سلطنت ہند کا قطعی فیصلہ کر دے گی۔ گو اس کو دور کی سوجھتی تھی مگر یہ بات اس کے بھی خیال میں نہ آئی ہوگی کہ اس لڑائی سے ہندوستان میں ایک ایسا خاندان قائم ہو جائے گا جس کی حکومت دو سو برس سے زیادہ عرصے تک رہے گی اور اس کو مغلوب کرنے کے لئے ایک اور حملہ آور شمال سے آئے گا۔ اور ایک اور لڑائی اسی پانی پت پر ہوگی۔ اور آخر کار بحر اوقیانوس کے جزیرے میں سے ایک اجنبی قوم آ کر اس خاندان کا نام و نشان مٹا دے گی۔

ہیموں نے اپنی فوج کے تین حصے کئے تھے۔ سب سے آگے پانچ سو ہاتھیوں کا پرا اور ہر ایک ہاتھی پر ایک عالی مرتبہ افسر تھا۔ اور خود ہیموں اپنے دل پسند ہاتھی پر سب سے آگے تھا۔ پہلے پہل اس نے مغلوں کے دائیں دستے پر جو بڑھ رہا تھا حملہ کر کے اس میں کھلبلی ڈال دی لیکن چونکہ اس کے نائب پیادہ فوج لے کر پیچھے سے نہ آئے اس لئے وہ ہٹ گیا اور مغلیہ فوج کے عین وسط پر جہاں بیرم خاں کمان کر رہا تھا جا پڑا۔ اس دور اندیش جرنیل کو پہلے ہی سے خیال تھا کہ اپنے تیر اندازوں کو یہ حکم دے رکھا

تھا۔ کہ سواروں کے منہ ہی منہ پر تیر ماریں چنانچہ انہوں نے تیروں کا مینہ برسا دیا قضارا ان میں سے ایک تیر ہیموں کی آنکھ میں جا لگا اور وہ اسی وقت بیہوش ہو کر ہودے میں گر پڑا۔ افسر کے گرتے ہی لشکر میں ہل چل مچ گئی۔ جس سے پہلے تو حملہ ذرا مدھم پڑ گیا۔ پھر بالکل بند ہی ہو گیا اُدھر سے ذرا ہاتھ رکنے کی دیر تھی کہ بیرم خاں کی سپاہ نے حملہ کر کے ہیموں کی فوج کو تتر بتر کر دیا۔ جس ہاتھی پر ہیموں سوار تھا اس کا مہاوت مارا جا چکا تھا[1] اس لئے اس جانور نے اپنی عقل حیوانی کے مطابق جنگل کی راہ لی ایک امیر شاہ قلی مہرام بہارلو نامی یہ تو نہ سمجھا کہ اس ہاتھی پر گوہر مقصود ہے مگر اُس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ یہ امیر بیرم خاں کا دور کا رشتہ دار اور ماتحت تھا جب ہاتھی کے پاس آیا تو جھٹ اُس کی گردن کا رسا پکڑ کر اوپر جا بیٹھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ہیموں ہودے میں مجروح پڑا ہے اب تو وہ اس کے قابو میں آ گیا وہ ہاتھی کو ہانکتا ہوا بیرم خاں کے پاس لے آیا۔ بیرم خاں اس قیدی کو نوجوان بادشاہ کی خدمت میں لے گیا جس نے دن بھر بڑی دلیری اور جوانمردی ظاہر کی تھی۔ لیکن جنگ کا انتظام اسنے اپنے اتالیق کے سپرد کر رکھا تھا اس وقت جو ماجرا گزرا اس کو اس زمانے کے مورخ یوں بیان کرتے ہیں کہ بیرم خاں نے اس مجروح سپہ سالار کو اپنے آقا کی خدمت میں پیش کر کے کہا "یہ حضور کی پہلی فتح ہے اپنا دست شمشیر اس کافر کی گردن پر چلائے کہ ثواب عظیم ہے" اکبر نے جواب دیا کہ "یہ تو خود ہی مردوں سے بدتر ہو رہا ہے اس پر کیا تلوار چلاؤں ہاں اگر اس کی عقل درست اور طاقت بحال ہوتی تو البتہ اس پر شمشیر آزمائی کرتا" جب اکبر نے انکار کیا تو بیرم خاں نے خود تلوار کا ایک ہاتھ مار کر ہیموں کا سر تن سے جدا کر دیا۔

بیرم خاں نے دشمنوں کو ذرا بھی آرام نہ لینے دیا بلکہ اپنے رسالے کو ان کے تعاقب میں دہلی تک بھیجا اور دوسرے دن 53 میل کی ایک منزل کر کے مغلیہ فوج دہلی میں جا داخل ہوئی اس وقت سے اکبر کا کوئی خوفناک دشمن ہندوستان میں نہ

1- عموماً روایت ایسی ہی ہے۔ گو ابو الفضل بیان کرتا ہے کہ مہاوت نے اپنی جان بچانے کے لئے اپنے آقا کو دغا سے دشمن کے حوالے کر دیا تھا۔ (دیکھو Elliot جلد 5۔ صفحہ 253 اور ذث)

رہا۔ اس کی اب وہی حالت ہوگئی جو تیس برس پہلے اس کے دادا کی تھی۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ جن موقعوں کو اس کے باپ اور دادا نے خود ہاتھ سے کھو دیا تھا ان سے یہ لڑکا کچھ فائدہ اٹھائے گا یا نہیں اب ہم اس بات کے ظاہر کرنے کے لئے کہ جو کام اسے کرنا تھا وہ کس قدر اہم تھا اس کتاب کے اگلے باب میں ہندوستان کی اس حالت کا مختصر طور پر ذکر کرتے ہیں جو اس کی تخت نشینی کے وقت تھی اور اس سے آگے کے باب میں اس امر پر بحث کی جائے گی کہ یہ چودہ برس کا لڑکا بیرم خاں کی تعلیم سے کس طرح فائدہ اٹھا سکتا تھا۔

نواں باب

سولہویں صدی کے وسط میں ہندوستان کی عام حالت

مغلوں سے پیشتر جو سلطنت افغانوں نے ستلج کے جنوب کی طرف حاصل کی تھی اس کو ہم سلطنت نہیں کہہ سکتے بلکہ اسے سلطنت دہلی کہنا مناسب ہے کیونکہ اس میں صرف وہ صوبے شامل تھے جن کو 1857ء تک صوبجات شمال مغربی کہتے تھے اور احاطہ بنگالہ کا وہ حصہ جس کو آج کل مغربی بہار کہتے ہیں۔ وسط ہند اور راجپوتانے کے بعض اضلاع بھی اس میں شامل تھے اور ملک پنجاب بھی اسی میں شامل تھا۔ تھوڑے دن خاندان تغلق کی حکومت بنگالے اور تقریباً سارے جنوبی ہند پر رہی تھی لیکن شمال کی طرف سے پہلے حملے نے جنوب کے ہندو راجاؤں کو اس ناگوار تابعداری سے رہائی پانے کا موقعہ دیا۔ اور ایک دفعہ ہی یہ اطاعت سے ایسے نکلے کہ پھر کبھی نہ دبے اوڑیسہ کی خود مختار بادشاہت جو گنگا کے دہانے سے لے کر گوداوری کے دہانے تک پھیلی ہوئی تھی ہمیشہ خود مختار رہی مغربی ہند بھی کچھ عرصے کے لئے غیر قوم کے حملہ آور سے منحرف ہوگیا تھا اور وہاں کی کئی ریاستیں عروج پکڑ کر سلطنتیں بن گئی تھیں۔

جب اکبر تخت نشین ہوا تو ہندوستان کے سب سے پرلے مغربی حصے یعنی گجرات کی بادشاہت پر افغان خاندان کا ایک خود مختار مسلمان حاکم حکمران تھا اس میں کچھ شک نہیں کہ ہمایوں نے اس کو لوٹا تھا لیکن جب وہ ہندوستان سے بھاگ گیا تھا تو یہ بادشاہت از سر نو قائم ہوگئی اور کسی نے اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہیں کی تھی بلکہ اس نے اپنی ہمسایہ ریاست مالوہ پر فتح پائی تھی ریاست مالوہ میں آج کل کے وسط ہند کا بہت سا حصہ شامل تھا اور وہ اکبر کی تخت نشینی کے وقت خود مختار تھی خاندیش

کا بھی یہی حال تھا راجپوتانے کی ریاستیں بھی کسی کے ماتحت نہ تھیں ان کا ہم کچھ مفصل حال لکھتے ہیں۔

مشہور و معروف رانا سانگا کی بہادریاں سرسری طور پر پہلے باب میں بیان کی جا چکی ہیں جب بابر نے رانا کو شکست دی اس وقت سے میواڑ کی طاقت بڑی ضعیف ہو گئی تھی اور جب شیر شاہ نے ہمایوں کو ہندوستان سے نکالا تو ملک کے سرداروں کو آخر کار فاتح کی حکومت تسلیم کرنی پڑی۔ لیکن شیر شاہ کی وفات کے بعد جو ملک میں ابتری واقع ہوئی۔ اس میں یہ سردار دوبارہ خود مختار بن گئے اور جب اکبر تخت نشین ہوا تو یہ بدستور راجپوتانے کی ریاستوں میں اعلیٰ درجے کے رئیس خیال کیے جاتے تھے اور ریاستوں کی نسبت صرف اتنا ہی مختصراً کہنا کافی ہے کہ جے پور کے حاکم بابر کے زمانے میں مغلوں کی اطاعت قبول کر چکے تھے راجہ بہاری مل نے اپنی فوج کے ساتھ بابر کی مدد کی تھی۔ اور شیر شاہ سے شکست کھانے سے پہلے ہمایوں نے اس کو حاکم امیر کا اعلیٰ شاہی خطاب دیا تھا جب اکبر نے پانی پت پر فتح پائی تو بہاری مل کا لڑکا بھگوان داس جے پور کی گدی پر تھا ان دنوں جودھ پور کا مرتبہ جے پور سے کہیں بڑھ کر تھا اسکے راجہ مل دیو سنگھ نے شیر شاہ کو میدان جنگ میں اس قدر دق کیا تھا کہ اور کسی نے نہیں کیا اور جب ہمایوں بھاگتا پھرتا تھا تو اس نے اس کو بھی پناہ دینے سے انکار کر دیا تھا جب اکبر تخت دہلی پر بیٹھا تو یہ راجا خود مختار اور راجپوتانے کے سب راجاؤں سے زیادہ طاقتور تھا۔ جیسلمیر' بیکانیر اور ریگستان کی سرحدی ریاستیں بھی خود مختار تھیں۔ راجپوتانے کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں ملک سندھ اور صوبہ ملتان بھی خود مختار تھے میواڑ اور کھیلکنڈ بھی کسی غیر قوم کے ماتحت نہ تھے۔ لیکن گوالیار' ارچھا' چندیری' نروا اور پناؤ آگرے کے نزدیک ہونے کے باعث تکلیف میں رہتے تھے اور ہر ایک فاتح کو اپنا سکہ بٹھانے کی جس قدر فرصت ملتی تھی اسی قدر کم و بیش یہ اس کے ماتحت ہو جاتے تھے۔

مسلمان فاتحوں کے ماتحت بھی جو صوبے تھے ان میں کسی طرح بھی باہمی الحاق نہ تھا بادشاہ جس کو کبھی سلطان یا شہنشاہ بھی کہتے تھے فی الحقیقت ان امرا کا افسر اعلیٰ ہوا

کرتا تھا جن کے سپرد مختلف صوبے ہوتے تھے۔اپنے دربار میں تو اسکی حکومت پوری پوری ہوتی تھی اور جنگ میں فوج کا اعلیٰ افسر بھی وہی ہوا کرتا تھا۔لیکن صوبوں کے اندرونی انتظام میں اس کو کچھ دخل نہ تھا ہر ایک صوبہ گو برائے نام بادشاہ کے ماتحت متصور ہوا کرتا تھا مگر اصل میں اپنے اپنے نائب السلطنت کے زیر عنان بادشاہ کی حکومت سے آزاد و خود مختار ہوتا تھا۔

ہندوؤں کی آبادی مسلمان حاکموں کے ماتحت کی کل آبادی کے 7/8 حصے کے برابر تھی جہاں تک شہادت ملتی ہے اس میں سب کا اتفاق ہے کہ یہ لوگ اپنی حالت پر قانع تھے۔ان کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی پوری پوری آزادی تھی۔اگرچہ ان کو جزیہ دینا پڑتا تھا جو مسلمان اپنی غیر مذہب رعایا سے لیا کرتے تھے۔لیکن سرکار کے تمام محکموں میں ہندو عملہ بہت طاقتور تھا اکثر صوبوں میں اعلیٰ قوموں کے ہندو صوبے داروں کے ماتحت ایک قسم کی موروثی حکومت رکھتے تھے اور لڑائی کے موقع پر اپنی مقررہ فوج کو لڑنے کے لئے بھیجا کرتے تھے۔

ہر ایک صوبے میں ایک مقامی فوج رہتی تھی جو ضرورت کے موقع پر صوبے دار کے ماتحت کر دی جاتی تھی لیکن اس کے علاوہ بھی شاہی فوج کا کچھ حصہ وہاں رہا کرتا تھا جس کی تنخواہ سلطان دیا کرتا تھا اور اس کا افسر بھی سلطنت ہی کی طرف سے مقرر ہوا کرتا تھا اور بادشاہ کے دربار میں اسی افسر کو بھلے برے کی جوابدہی کرنی پڑتی تھی اور کئی باتوں میں وہاں کے صوبہ دار کے ماتحت نہ ہوتا تھا بلکہ جداگانہ اپنے اختیارات رکھتا تھا۔

اصول کے لحاظ سے محکمۂ عدالت مکمل تھا۔کیونکہ اسلامی اصول کو سلطنت کا مدار شرع پر ہے مدنظر رکھ کر انصاف ہوا کرتا تھا۔قاضی اس قانون کے موافق جو قرآن شریف کے مطابق فیصلہ شدہ نظائر سے پیدا ہوتا تھا۔انصاف کیا کرتے تھے۔لیکن رواجِ ملک کے موافق اس میں تغیر و تبدل ہو جایا کرتا تھا تمام دیوانی مقدمات قاضی فیصل کرتے تھے یعنی ان تمام امور کا جن سے امن سلطنت پر کچھ اثر نہ پڑتا تھا لیکن

فوجداری مقدمات ایک ایسی جماعت کے سپرد تھے جن کے لئے کوئی ضابطہ مقرر نہ تھا یہ جماعت حکام بادشاہ کی طرف سے مقرر ہوتی تھی اور شاہی خزانے سے تنخواہ پاتی تھی اور بعض وقت ایسے اختیارات بھی برت لیتی تھی جو قاضیوں کے سوا اور کوئی نہیں برت سکتا تھا رعایا عموماً خوش تھی جس سے یہ نتیجہ نکلتا تھا کہ انصاف کا طریق تسلی بخش تھا۔ زمانے نے پرانے آئے ہوئے مسلمانوں اور ہندو باشندوں کے اغراض کو باہم ملا دیا تھا اور ان دونوں کو یہی امید تھی کہ جو کچھ ہمارا بچاؤ ہو سکتا ہے وہ قانون ہی کے ذریعے سے ہو سکتا ہے اگر اس وقت کی تاریخوں پر اعتبار کیا جائے تو گو بہت سی لڑائیاں ہوتی رہیں مگر ملک کی حالت عموماً بہت رونق پر تھی۔

جس طرز حکومت کا ہم اب ذکر کرنے کو ہیں اس کے ساتھ ہی یہ ذکر کرنا بھی لازم ہے کہ جو طریقہ انتظام افغان اس میں نہ تو بابر ہی نے کچھ بڑی تبدیلی کی اور نہ ہمایوں ہی نے بلکہ بابر تو ایک ایسے طرز حکومت کا عادی تھا جو ہندوستان کے طریق سلطنت سے کہیں بڑھ کر زبردست تھا فرغانہ میں کیا اور سمرقند یا کابل میں کیا۔ غرض جہاں کہیں وہ رہا اپنے دارالخلافے ہی کا افسر اعلیٰ نہیں رہا بلکہ صوبجات کے حاکموں کا بھی جنگی حاکم بنا رہا ان صوبوں کے حاکم اور ضلعوں یا جاگیروں کے سردار اپنے اپنے علاقے میں پوری حکومت رکھتے تھے لیکن بادشاہ کو اختیار تھا کہ جب چاہے ان کو معزول کر دے اس لئے ان کو ہمیشہ یہ خیال رہتا تھا کہ ایسا انتظام رکھیں۔ جس سے انصاف پورا پورا ہو یا دربار شاہی میں اپنے کارندے رکھیں جو ان کی بہتری کے نگراں رہیں۔ اسی طرح فوج میں بادشاہ کے متعلقین سرداروں اور امیروں کے آوردے اور مقامی دیسی قومیں بھرتی ہوا کرتی تھیں۔

بابر اور اس کے بیٹے کے ایام حکومت میں بادشاہ کو ہر طرح کا پورا پورا اختیار تھا آزادی رعایا کے طریق کوئی نہیں جانتا تھا۔ جو قانون کہ ایک بادشاہ کے عہد میں مروج ہوں۔ ممکن تھا کہ اس کا جانشین ان کو منسوخ کر دے اصل بات یہ تھی کہ سب کچھ بادشاہ ہی کی ذات پر منحصر تھا اس کے احکام کی تردید صرف بغاوت ہی سے ہو سکتی تھی

لیکن اگر بادشاہ لائق ہوتا تھا تو بغاوت سے بھی کامیابی ناممکن ہوتی تھی اگر لیاقت کے ساتھ بادشاہ میں انصاف بھی ہوتا تھا تو وہ جان جاتا تھا کہ انسداد بغاوت کے لئے انصاف ہی ایک ایسا عمل ہے جو کبھی خطا نہیں ہوتا۔

جن صوبجات ہند کو بابر نے فتح کیا۔ ان میں بھی طرز حکومت ایسی تھی جس کا وہ پہلے ہی سے شمالی ملکوں میں عادی تھا۔ اگر اس کا خیال اس کو بدلنے کا بھی ہوتا۔ تو اتنی فرصت کہاں سے لاتا ہمایوں کو بھی اس قدر فرصت نہ ملی اور نہ اس کو اس طرف رغبت تھی۔ مرنے سے پیشتر جس طرز حکومت کی طرف اس نے توجہ کی تھی اس کے اصول میں اس طریق حکومت کی نسبت کوئی بڑی تبدیلی نہ تھی جو ہندوستان میں پہلے ہی سے مروج تھا اگر وہ زندہ رہتا تو سلطنت کے چھ بڑے حصے کرتا جن کے صدر مقام دہلی 'آگرہ' قنوج' جون پور' مانڈو اور لاہور ہوتے۔ اور ان میں سے ہر ایک علاقہ ایک معتبر جرنیل کے ماتحت ایک جدا جنگی علاقہ ہوتا۔ جس کے ماتحت اتنی فوج رہتی کہ وہ باہر کی امداد کا محتاج نہ رہتا اور خود شہنشاہ ہر ایک علاقے کو باری باری سے بارہ ہزار فوج سمیت جا کر دیکھتا اور مقامی فوج کا معائنہ کرتا اور صوبے کی عام حالت پر غور کرتا۔ اس تجویز میں کئی نقص تھے اگر بادشاہ میں اپنے فوجی افسروں کی نسبت زیادہ لیاقت بھی ہوتی۔ تاہم انتظام کا یہ طریق خراب اثر پیدا کرتا اگر ان سے لیاقت میں کم ہوتا تو یہ طریق ایک سال بھی قائم نہ رہتا۔

ہمایوں کی ناگہانی موت سے اس تجویز پر عملدر آمد نہ ہو سکا اس کے برعکس وہ جنگی واقعات شروع ہو گئے جن کا خاتمہ پانی پت کی فتح سے ہوا۔ اس لڑائی سے نوعمر اکبر کی وہی حالت ہو گئی جو تیس برس پہلے اس کے دادا بابر کی تھی اور جس کے طفیل بابر کو شمال مغربی ہند' بہار اور وسط ہند کے کچھ حصے فتح کرنے کا موقع مل گیا تھا جسے اس نے ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ پانی پت کی دوسری لڑائی سے اکبر کو بھی ایک اسی قسم کا موقع ملا اس کا صرف ایک ہی دشمن ایسا تھا جو کچھ تنک کر اس کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ اکبر نے اس پر بھی اس میدان جنگ میں فتح پائی۔ پس اب جو ملک فتح کرنے کا کام باقی رہ گیا تھا وہ چند اں

مشکل نہ تھا لیکن اس فتح کو دیرپا کرنا مختلف صوبوں اور مختلف قوموں کو آپس میں پیوستہ کر کے مضبوط کرنا۔ ایسا انتظام تجویز کرنا کہ بادشاہ کا رعب داب ہر ایک قصبے اور ہر ایک صوبے میں برابر رہے اور مقامی رواجوں رسم ورواج عادات اور خیالات کے بھی خلاف نہ ہو یہ ایسے اہم کام تھے جن کے کرنے کی اُس کے دادا نے بھی کبھی کوشش نہ کی تھی۔ اگر اس کے باپ کے خیال میں یہ آ بھی جاتے یا اسے کوئی سمجھا بھی دیتا تو بھی وہ ان کو ناممکن سمجھتا۔ ان کے انتظام میں ایسی تجاویز کے نہ ہونے سے یہ نتیجہ ہوا تھا کہ جو سلطنت 1526ء میں پانی پت کی فتح سے حاصل ہوئی تھی اس کی جڑ اچھی طرح نہیں جمی تھی۔ بلکہ ایسی ضعیف تھی کہ ایک ہی روز کے جھونکے سے اکھڑ جاتی اور اس کا سارا دارومدار پے درپے جنگی کامیابیوں پر تھا وہ غزنوی' غوری' خلجی' تغلق' سادات اور لودھی خاندانوں کی سلطنت کی نسبت جو اس سے پیشتر ہو چکے تھے کچھ بھی مضبوط نہ تھی اور یہ بات اس واقع سے ثابت ہو گئی کہ جو سلطنت بابر نے قائم کی تھی وہ شیر شاہ نے اس کے بیٹے سے باآسانی چھین لی۔ یہ ہم مانتے ہیں کہ اگر بابر کی عمر خواجہ خضر کی سی ہوتی تو ممکن تھا کہ وہ شیر شاہ پر غالب آ جاتا لیکن اس سے ہماری دلیل کی اور تائید ہوتی ہے یعنی بابر ایک بڑا جنگی جرنیل تھا اور شیر خاں بھی ایسا ہی تھا۔ مگر ہمایوں ہمت واستقلال سے معرا تھا۔ ایک بات پر اس کا دل نہ جمتا تھا۔ عملی عقل نہ رکھتا تھا اور بہت نکما سپہ سالار تھا یہ بھی ممکن ہے کہ جس شیر خاں نے ہمایوں پر فتح پائی وہ بابر سے شکست کھا جاتا۔ غرض اس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ وہ طرز حکومت جو بابر نے جاری کی تھی ایک ایسی طرز تھی جس کا وہ ساری عمر سے عادی تھا جس کے طفیل اس نے فرغانہ اور سمر قند کو کبھی ہاتھ سے کھو دیا اور کبھی فتح کر لیا۔ اور آخر کار کابل اور اس کے چند سال بعد ہندوستان پر فتح حاصل کی وہ کون سی طرز تھی یہی کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ اس طرز حکومت کی جڑ نہ تو فرغانہ میں نہ سمر قند میں نہ کابل میں نہ پنجاب میں اور نہ ہندوستان میں لگی سچ تو یہ ہے کہ اس کا قائم رہنا ناممکن تھا کیونکہ اس میں بڑھنے کی طاقت ہی نہ تھی۔

اب 1556ء کے اخیر میں یہ سلطنت جو کبھی فتح کی گئی اور کبھی ہاتھ سے کھو دی گئی اور پھر فتح ہوئی ایک ایسے لڑکے کے ہاتھ میں تھی جس کی عمر صرف چودہ برس ایک مہینے کی تھی[1] اور جس نے مصیبت اور آزمائش کے مدرسے میں تعلیم پائی تھی پانی پت کی لڑائی سے ہندوستان اس کے ہاتھ لگا گو اس کی عمر چھوٹی تھی۔ مگر اس نے معرکے بہت دیکھے تھے اس کا باپ ہمیشہ اس سے مشورہ لیا کرتا تھا۔ بیرم کی نگرانی میں جو اپنے زمانے کا سب سے اعلیٰ فوجی افسر تھا اس نے عملی طور پر جنگی تعلیم حاصل کی تھی[1] اور چھ مہینے سے زیادہ پنجاب پر حکومت کر چکا تھا مگر اب وہ وقت آ گیا تھا کہ منتظم اور فاتح ہونے کی حیثیت سے اس کا امتحان کیا جائے اور اس امتحان میں کامیاب ہونے کے لئے نہ تو اس کے باپ کا نمونہ اور نہ بیرم کی نصیحتیں اس کے لئے کچھ مفید ہو سکتی تھیں اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ خدا نے اسے ایسی قوتِ فیصلہ عنایت فرمائی تھی جو مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتی تھی اور ایسی طبیعت بخشی تھی جس کا میلان رحم کی طرف تھا۔ دیکھو اس نے ہیموں کے قتل سے انکار کر دیا لیکن اس کام کے لئے جو اب اسے پیش آنے کو تھا اور ہی صفات کی ضرورت تھی اور جو کچھ بعد میں ہوا اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کام کی اس میں کس قدر لیاقت تھی۔

1- اکبر 15 اکتوبر 1542ء کو پیدا ہوا تھا۔ اور پانی پت کی دوسری لڑائی 5 نومبر 1556ء کو ہوئی تھی۔

دسواں باب

اکبر کا بیرم خاں کی نگرانی میں تعلیم پانا

پہلے ہم اکبر کی ظاہری صورت بیان کرتے ہیں اس کے بیٹے جہانگیر نے لکھا ہے کہ "اکبر کا قد درمیانہ تھا مگر کسی قدر لمبا۔ سیاہی مائل گندمی رنگ آنکھیں اور بھویں کالی جسم مضبوط' پیشانی اور سینہ کشادہ' بازو اور ہاتھ لمبے' ناک کے بائیں طرف مٹر کے چھوٹے دانے کے برابر ایک مسا تھا جونہایت خوبصورت معلوم ہوتا تھا اس کو قیافہ شناس بڑا مبارک سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بے حد دولت اور دن دُگنے اور رات چوگنے اقبال کی علامت ہے اس کی آواز بہت بلند تھی اور طریق گفتگو نہایت شستہ و دلربا۔ اس کے عادات و اطوار اور لوگوں جیسے نہ تھے چہرے پر نور الٰہی برستا تھا" اور مورخ بھی اس بیان کی بڑی بڑی باتوں کی تائید کرتے ہیں۔ الفنسٹن صاحب (Elphinstone) لکھتے ہیں کہ "اس کا جسم بڑا گٹھا ہوا اور خوبصورت تھا اس کی شکل دیکھ کر آدمی کا جی خوش ہو جاتا تھا۔ اس کے اطوار بڑے دلفریب تھے یہ بڑا مضبوط شخص اور نہایت جفاکش تھا تھکنا کبھی جانتا ہی نہ تھا۔ اس کو گھوڑے پر سوار ہونے پیدل چلنے' تیر چلانے اور شکار کھیلنے اور تمام ورزشوں کا جن کے لئے طاقت اور ہنر درکار ہے بڑا شوق تھا ایسا صاحب حوصلہ اور مستقل مزاج شخص تھا کہ کبھی کسی حالت میں اس کے اوسان خطا نہ ہوتے تھے۔ بلکہ مشکلوں اور خطروں کے موقعوں پر اس سے اور بھی ہوشیاری اور دانشمندی کے کام سرزد ہوتے تھے اگر سلطنت یا رعیت کی بہبودی کے لئے جنگ کی ضرورت پیش آئی۔ تو فوراً جنگ کے لئے آمادہ ہو جاتا مگر اس سے چنداں خوش نہ ہوتا تھا اس کا دل تو ان انتظامی امور کی ترقی میں لگتا تھا جن کو وہ اپنی حکومت کی

مستحکم بنیاد سمجھتا تھا اور لڑائی کو تو وہ ایک لازمی تحق خیال کرتا تھا۔ تمام عمر میں جتنی لڑائیاں وہ لڑا ہے ان میں سے ایک لڑائی بھی ہم ایسی نہیں پاتے۔ جو اس نے اپنے ملک کے انتظام کی تکمیل اور حفاظت کے لئے ضروری نہ سمجھی ہو۔ محبت اس کی طبیعت میں تھی دوستوں سے بڑی وفاداری کرتا تھا اور لوگوں کے دلوں میں اپنی محبت پیدا کرنے میں بڑی لیاقت رکھتا تھا خون ریزی سے نفرت کرتا تھا۔ عدل کے ساتھ رحم کو ملانے کے ہمیشہ فکر میں رہتا تھا۔ انتقام کی نسبت معافی کو اچھا جانتا تھا۔ ع۔ عفو لذ نیست کہ در انتقام نیست۔ پر اُس کا پورا پورا عملدر آمد تھا۔ ضرورت کے وقت اپنے دل کو اس قدر سخت کر لیتا تھا کہ گویا رحم کبھی اس کے پاس ہو کر بھی نہیں نکلا۔ عالی حوصلہ لوگوں کی طرح اوروں کو خوش کر کے خوش ہوتا تھا۔ فیاضی اس کی سرشت میں تھی اگر کوئی غیر مستحق شخص اس کی فیاضی سے مالا مال ہو جاتا اور پھر اس کو اپنی غلطی معلوم ہو جاتی تو وہ اکثر اس بات کی کوشش کرتا کہ اگر ہو سکے تو اس شخص کی اصلاح ہو جائے۔ اور اپنی فیاضی سے کبھی پچھتاتا نہ تھا ملکی انتظام کے کاموں سے اسے قدرتی لگاؤ تھا اسے ایسی تجویزیں پسند تھیں۔ جن سے وہ سلطنت جس کو وہ اپنے زور بازو یا تلوار سے قائم کرتا تھا رعایا کی دلی خواہش کے مطابق چلی چلے نہ کہ بزور شمشیر و جنگ و جدل سے۔ ان تمام امور کے متعلق جو ہمیشہ ہر ایک زمانے میں نوع انسان پر اثر کرتے چلے آئے ہیں۔ اور جن کا اثر اب تک جاری ہے یعنی مذہب' سیاست' مدن اور طریق عدالت کے بارے میں اس کا دل بالکل تعصب سے مبرا تھا۔ اور جونسی بات اچھی دیکھتا تھا وہی اختیار کر لیتا تھا گو وہ پیدائش سے مسلمان تھا اور اسی مذہب میں اس نے تربیت پائی تھی تاہم بدھ برہما' زردشت اور حضرت عیسیٰ کے پیروؤں کے ساتھ آزادانہ طور پر اور سب کو مساوی سمجھ کر ملتا جلتا تھا اس پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ اپنی عمر کے پچھلے دنوں میں وہ دین دار عالموں سے متنفر ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے ان کو اپنے دربار سے نکال دیا تھا اس کی بجائے یہ کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ بادشاہ اپنے دربار کے علمائے دین کے تعصبات' توہمات اور ان کے عقیدوں کی ہٹ دھرمیوں سے تنگ آ گیا

تھا۔ اس کو علما کی کمزوریوں اور عیبوں سے نفرت تھی۔ اور جب علما کی یہ عادتیں حد اعتدال سے بڑھ گئیں تو بادشاہ نے ان کا دربار میں آنا بند کر دیا''

اس کتاب کے اخیر باب میں ناظرین خود اندازہ کرلیں گے کہ اکبر اور باتوں میں کیسا تھا ہمارے خیال میں اس نوعمر شہزادے کی مخفی لیاقت اور اوصاف کے اظہار کے لئے جو کچھ بیان کیا جا چکا ہے وہ کافی ہے۔ جس نے چودہ برس کی عمر میں بیرم خاں کی نگرانی میں تربیت پا کر پانی پت کی لڑائی میں فتح حاصل کی اور میدان جنگ سے بلا توقف وقیام سیدھا دہلی پہنچا۔ اس کے ہمراہیوں میں سے اس وقت تک کسی کو معلوم نہ تھا کہ یہ کس قدر اپنی دھن کا پکا ہے اور اس کی عقل خداداد کیسی وسیع ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اکبر کے ان اوصاف کو اس کا اتالیق بیرم خاں بھی نہیں سمجھا تھا۔ ورنہ وہ تردی بیگ کو سرہند کے مقام پر خیمے میں قتل نہ کرتا۔ اور نہ اس نوجوان شہزادے کو گرفتار شدہ ہیموں کے لئے کہتا مگر بیرم اور دربار کے اور امرا اور فوجی افسروں کو تھوڑے ہی عرصے میں معلوم ہو گیا کہ ہمایوں کا لخت جگر ایک معمولی لڑکا نہیں ہے۔ جس کو سمجھا بوجھا کر جس طریق پر چاہیں لے آئیں گے بلکہ یہ ایسا آقا ہے کہ اپنے ہی حکم کی تعمیل کرا کر چھوڑے گا۔

اکبر دہلی میں ایک مہینہ ٹھہرا۔ وہاں سے اس نے ہیموں کی شکستہ فوج کے تعاقب میں فوج کا ایک دستہ میوات کی طرف بھیجا کہ وہ جو بڑا بھاری خزانہ لئے جاتی ہے اس سے چھین لے اس مختصر جنگ میں اس کے جرنیل پیر محمد خاں شروانی نے بڑی کامیابی حاصل کی یہ اس وقت بیرم خاں کے ماتحت تھا لیکن آخر کار اسی کے ہاتھ سے اس کو ایذا پہنچی۔ اکبر نے پھر آگرے پر حملہ کر کے اسے فتح کیا۔

لیکن پنجاب کی طرف کا خدشہ لگا ہوا تھا کیونکہ جب تک یہ صوبہ بخوبی محفوظ نہ ہو ستلج کے جنوب کی فتوحات جو اس نے کی تھیں خطرے سے خالی نہ ہو سکتی تھیں یہ تو ہم بیان کر چکے ہیں کہ اکبر مجبوراً سکندر سوری کو مان کوٹ میں دھکیل کر بغیر فتح کئے واپس چلا تھا اور وہ خاندان مغلیہ کا سخت دشمن تھا چنانچہ ماہ مارچ 1557ء میں اکبر کو یہ خبر لگی کہ جس فوج کو میں پنجاب میں چھوڑ آیا تھا اس کے ہراول نے سکندر سوری سے

لاہور سے 40 میل کے فاصلہ پر شکست کھائی ہے جو امرا پنجاب سے آئے انہوں نے بیان کیا کہ معاملہ بڑا نازک ہے کیونکہ سکندر نے اپنے پاؤں مانکوٹ میں بخوبی جمالئے ہیں جہاں سے جب چاہے چھیڑ چھاڑ کرنے کے لئے وہ نکل سکتا ہے خواہ میدان جنگ میں اسے شکستیں ہی ہوتی رہیں مگر اس فتح سے اس کے حمائیتیوں کا حوصلہ بڑھ گیا ہے۔ اکبر نے اس امر میں خوب غور کی اور اس اول پر کمر ہمت باندھی کہ اگر کوئی کام کرنا ہو تو اس کو پورے پورے طور پر کرنا چاہئے یہ وہ اصول ہے جس پر اس کے عہد کی طاقت کا انحصار تھا اسی غرض سے وہ سیدھا لاہور آیا اور یہ دیکھ کر کہ یہاں تو کوئی اندیشے کی بات نہیں وہاں سے جالندھر پہنچا جہاں اس کا دشمن تیار ہی کھڑا تھا مگر جب اکبر پہنچا تو سکندر ہٹ کر کوہ شوالک کی طرف چلا گیا اور مانکوٹ میں جا داخل ہوا اکبر وہیں پہنچا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔

یہ محاصرہ چھ مہینے تک برابر قائم رہا اب تو فاقہ کشی سے تنگ آ کر اور ہمراہیوں کے فرار ہو جانے سے کمزور ہو کر سکندر نے اپنے چند امرا کو عہد و پیمان کرنے کے لئے بھیجا۔ اکبر نے اس کی یہ درخواست منظور کر لی۔ کہ اس کو بنگالے چلے جانے کی اجازت ہو جائے اور اس کا بیٹا اس بات کی ضمانت میں بطور یرغمال بادشاہ کی خدمت میں حاضر رہے کہ پھر وہ شہنشاہ کے مقابلے میں نہ آئے اس طرح مانکوٹ کا قلعہ اکبر کے ہاتھ آیا اور وہ اُدھر سے خاطر جمع کر کے لاہور واپس آ گیا چار مہینے چودہ دن یہاں ٹھہر کر صوبہ پنجاب کا انتظام کرتا رہا۔ پھر دہلی کی طرف رخ کیا راستے میں جالندھر پہنچ کر قیام کیا اور یہاں ہمایوں کی ایک بھتیجی سے بیرم خاں کی شادی ہوئی یہ شادی خود ہمایوں کی تجویز کے مطابق ہوئی تھی اور ایسی باتوں میں یہ جوان شہزادہ اپنے باپ کی خواہشوں کو اپنے لئے قانون مطلق سمجھتا تھا 15 مارچ 1558ء کو دوبارہ دہلی میں داخل ہوا ابھی تک بیرم خاں ہی ملک کا منتظم۔ اتالیق اور بادشاہ کا نگران تھا اور 1558ء اور 1559ء میں بھی اس کے اختیارات ایسے ہی بنے رہے ایک نوجوان لڑکے کے لئے ایسے بڑے جرنیل کے رعب کو

یک لخت ہی اپنے اوپر سے اُٹھا دینا جس کی شاگردی میں وہ سلطنت رانی بھی سیکھ رہا تھا۔ آسان کام نہ تھا اور ممکن ہے کہ اکبر اپنے اتالیق کے بہت سے کاموں کو جو وہ ظاہراً اس کے نام سے کرتا تھا پسند نہ کرتا ہو مگر وہ اپنے میں اتنی طاقت نہ دیکھتا تھا کہ اس کی اطاعت کا جوا کندھے پر سے اتار کر پھینک دیتا۔ ہاں بیرم خاں کی اس حرکت سے کہ جن شخصوں کو اکبر پسند کرتا تھا انہیں کا وہ بلا سبب دشمن ہو گیا تھا حتیٰ کہ انہیں خارج کر دیا تھا بادشاہ کا دل اپنے حد سے زیادہ آزاد وزیر سے رفتہ رفتہ پھٹ گیا۔ یہ دل آرزدگی جہاں ایک دفعہ شروع ہوئی پھر بہت بڑھ جایا کرتی ہے چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا اور بیرم خاں کو اس بات کا خیال بھی نہ آیا کہ اس کے آقا کی خوبیاں روز بروز ترقی کرتی جاتی ہیں اور عظیم قدرتی عطیوں کے ساتھ ساتھ ہی وہ تجربے اور معاملات کی واقفیت بڑھاتا جاتا ہے بلکہ وہ ابھی اکبر کو وہی لڑکا تصور کرتا تھا اور اپنے تئیں اس کا اتالیق جس کی فوجوں کو اس کے طفیل کامیابی ہوئی اور جس کے ملک کا انتظام اس کے دم سے ہو رہا تھا چونکہ کبھی اس کے اختیارات میں کوئی مزاحم نہیں ہوا تھا اس لئے وہ خود مختاری کا یہاں تک عادی ہو گیا تھا کہ وہ اس کے بغیر رہ نہیں سکتا تھا بلکہ وہ ایک نہایت مغرور اور مستقل طبیعت انسان کی طرح جو سمجھتا ہے کہ میں سب باتوں پر حاوی ہوں۔ اپنے اسی طریقے پر کاربند رہا۔

ہر ایک نوعمر حکمراں کو جو لوگ گھیرے رہتے ہیں وہ ضرور یہی خیال کرتے ہیں کہ جو اختیارات کوئی دوسرا شخص جائز طور سے بھی کام میں لا رہا ہے وہ ان کے لئے اور ان کے حاکم کے لئے سخت نقصان دہ ہیں پس ہے ضروری نہیں کہ ایسے آدمیوں کے دلی مدعا کی جستجو کی جائے ان کا مدعا اکثر خود غرضی پر مبنی ہوتا ہے۔ شاذ و نادر ہی کسی میں خلوص و بے غرضی ہوتی ہو وہ یہ چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح سلطنت کے نوعمر مالک کو ایسے کامل اختیارات حاصل ہو جائیں کہ جس کو چاہے کہیں کی حکومت بخش دے اور جس کو چاہے اور طرح پرورش کرے

اس میں شک نہیں کہ اکبر کو بھی ایسا ہی گروہ گھیرے ہوئے تھا جو بیرم خاں سے ناراض رہتا تھا کیونکہ اس کو بیرم خاں کے ہاتھ سے نقصان پہنچے تھے مگر بادشاہ کی طرف سے اُن عنایات کی قوی امید تھی جن کا ظہور وزیر کی موجودگی میں ناممکن تھا۔

محل سرائے میں سے بھی بادشاہ کے پاس ان لوگوں کی سفارشیں پہنچنے لگیں۔ اس کی انا نے جو عالم شیر خواری سے تخت نشینی کے بعد تک اس کی خدمت کرتی رہی تھی اور جواب اس کے حرم سرائے کی داروغہ تھی اکبر کو سمجھایا کہ اب عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کا وقت آ گیا ہے اکبر بھی دل سے یہی چاہتا تھا اور اس وقت اس کی عمر بھی اٹھارہ سال کی ہوگئی تھی پانی پت کی فتح کو چار برس گزر گئے تھے اس عرصے میں اس کے پدری ملک کا کچھ حصہ اس کے ہاتھ آ گیا تھا۔ اور اس زمانے میں وہ ایسے طریق پر چلا جس سے اس کے قدرتی اوصاف میں ترقی اور پختگی ہوگو اس نے دیکھ لیا تھا کہ بیرم کی طبیعت کا میلان ظلم اور بے قاعدگی کی طرف ہے مگر تاہم وہ بیرم کی اتنی عزت کرتا تھا جتنی ایک فیاض دل آدمی قدرتی طور پر اس شخص کی کیا کرتا ہے جو بچپن سے اس کا راہ نما ہو بار ہا کے تجربے سے وہ بیرم خاں کے چال چلن کو بخوبی جان گیا۔ اور سمجھتا تھا کہ جہاں ایک دفعہ اس سے تعلق قطع کیا تو پھر بالکل ہی تعلق قطع ہو جائے گا۔ پس اس طرح اس کے قبضے سے نکلنا چاہئے کہ پھر اس کو کسی اختیار کا خیال کرنا بھی بالکل ناممکن ہو جائے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ بیرم خاں کلی اختیارات اپنے قبضے میں رکھے بغیر خوش نہیں رہے گا اور جزوی اختیارات پر قناعت نہ کرے گا اس لئے اس کو جزوی اختیارات دینے میں بھی خطرہ ہی رہے گا۔

1560ء کے شروع میں کئی ایسے واقعات ہوئے جن سے اکبر نے عنانِ حکومت خود اپنے ہاتھ میں لے لینے کا پختہ ارادہ کر لیا چنانچہ وہ اس لئے آگرے سے دہلی گیا کہ وزیر کو اپنے ارادے سے آگاہ کردے بیرم نے خود کئی مرتبہ اپنے

مخالف سے رہائی پانے کا طریق تمثیلاً اکبر کو بتا دیا تھا کہ خنجر یا تلوار ہی کے ذریعے رہائی ہو سکتی ہے لیکن اس نوجوان شہنشاہ کی پاک طبیعت اس قسم کے تدارک سے بالکل متنفر تھی۔ اور جہاں تک اس وقت کی تصانیف سے معلوم ہوتا ہے اہل دربار میں سے کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ اس کے کان میں اس قسم کی تجویز ڈال سکے آخر محل سرائے میں بادشاہ کی والدہ اور انا نے یہ تجویز بتائی کہ کسی ایسے طریق پر بیرم خاں کو مکہ شریف باعزت بھیج دیا جائے کہ وہ اس سے انکار ہی نہ کر سکے یہ تو کئی دفعہ بیرم خاں خود علانیہ طور پر کہہ چکا تھا کہ وہ دن کب آئے گا کہ ملک کا انتظام اوروں کے سپرد کر کے میں اپنی نجات کے لئے حج کرنے کو جاؤں۔ اکبر نے دہلی پہنچ کر اس خیال سے کہ مبادا جنگی مخالفت ہو یہ اعلان دے دیا کہ حضور اپنی جانب نے انتظام ملک اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور سوائے ان احکام کے جو خود بدولت جاری کریں اور کسی حکم کی تعمیل نہ کی جائے اور پھر اپنے وزیر کو اس مضمون کا پیغام[1] بھیجا کہ بہتر ہے۔ اب تم مکہ شریف کو حج کے لئے چلے جاؤ پیغام کے پہنچنے سے پیشتر ہی بیرم کو اکبر کے ارادے سے آگاہی ہو چکی تھی اور وہ آگرے سے ساحل مغربی کی طرف روانہ ہو چکا تھا اس کا دلی رنج اس کی حرکات سے مترشح تھا اور اس بات پر آمادہ معلوم ہوتا تھا کہ کچھ نقصان پہنچائے۔ کیونکہ بیانے پہنچ کر اس نے چند مفسد سرداروں کو جو وہاں قید تھے رہا کر دیا۔ اکبر کا یہ پیغام اسے یہاں پہنچا وہ یہاں سے ناگور کی طرف گیا جو راجپوتانے میں ہے اس وقت صرف اس کے رشتے دار امرا اور ان کے ہمراہی اس کے ساتھ تھے ناگور سے اس نے ایک امیر کے ہاتھ بادشاہ کی خدمت میں اپنا علم، نقارے اور دیگر امیری کی علامتیں روانہ کر دیں جس سے شاہی حکم کی اطاعت ثابت ہوتی تھی اکبر کو کامل یقین تھا کہ بیرم پنجاب میں بغاوت پھیلانے کی کوشش کرے گا۔ اس لئے ایک فوج لے کر اس صوبے کی

1۔ پیغام ان الفاظ میں تھا۔ "چونکہ مجھ کو تمہاری دیانتداری اور وفاداری پر پختہ یقین تھا میں سلطنت کے تمام ضروری کام تم پر چھوڑ کر اپنے عیش و عشرت سے فکر میں رہا۔ اب میں نے سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لینے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔ اس لئے یہ مناسب ہے کہ تم مکہ شریف کی زیارت کو جاؤ۔ [illegible] تمہارے گزارے کے لئے ہندوستان کے علاقے میں سے مناسب جاگیر مقرر کر دی جائے گی [illegible] تم کو پہنچا دیا کریں گے۔"

طرف روانہ ہوا راستے میں وہ امیر علم وغیرہ لے کر اس کی خدمت میں بمقام جھجر حاضر ہوا۔ جو ضلع رہتک میں ہے بادشاہ نے وہ تمام سامان ایک سردار کو عطا کر دیا۔ جو پہلے تو بیرم خاں کا طرف دار تھا لیکن پیچھے وہ اس سے ناراض ہو گیا تھا۔ اور ماہی مراتب دینے کے بعد اس کو یہ حکم دیا کہ بیرم خاں کے پیچھے ہو لے۔ اور اس کو مکہ جانے کے لئے جہاز پر سوار کر دے اس بات سے بیرم خاں کا غصہ بھڑک اٹھا اور بیکانیر کی طرف جا کر چھوڑ بغاوت کا جھنڈا کھڑا کر دیا لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ بادشاہ سے باغی ہونے میں اور اس کا معتبر مشیر کبیر ہونے میں کیا فرق ہے جب دیپال پور پہنچا تو اس کو یہ خبر لگی کہ خود اس کے متبنے لڑنے کے بیوفائی کی اور اس کی مخالفت پر کمر باندھی ہے دوآبہ بست جالندھر میں فساد کی آگ بھڑکانے کے ارادے سے وہ اس علاقے کی طرف بڑھا۔ مگر جب اس کی سرحد پر پہنچا تو صوبہ دار پنجاب اتکہ خاں کی فوج نے اس کا مقابلہ کیا بیرم خاں نے شکست کھائی اور بھاگ کر تلواڑے میں پناہ لی۔ جو دریائے ستلج کے کنارے لدھیانے سے 20 میل مغرب کی طرف واقع ہے جب بیرم خاں کو اتکہ خاں نے شکست دی تو اکبر بھی پیچھے پیچھے آ رہا تھا اس نے اپنے اتالیق کا تعاقب کیا اور ایسا ناک میں دم کر دیا کہ بیرم خاں معافی اور رحم کا خواستگار ہوا اکبر نے بیرم خاں کی خدماتِ نمایاں کا خیال کر کے قصور معاف کر دیا۔ اور بہت سا روپیہ دے کر مکہ کی طرف روانہ کیا بیرم خاں صحیح وسلامت گجرات پہنچا۔ وہاں کے حاکم نے اس کی بڑی خاطر تواضع کی اور یہ ملک ہند سے روانہ ہونے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ ایک لوہانی افغان نے جس کا باپ ماچھی واڑے کی لڑائی میں مارا گیا تھا اس کو قتل کر ڈالا[1] ادھر اکبر 9 نومبر 1560ء کو دہلی واپس آ گیا تھا چند روز اس نے یہاں آرام کیا۔ اور پھر آگرے کی طرف بڑھا۔ کہ وہاں ان صوبوں کی فتح اور باہمی اتحاد

1۔ بیان کرتے ہیں کہ قاتل کا مدعا قصاص لینا تھا اس نے بیرم خاں کی پیٹھ میں ایسا خنجر مارا کہ اس کی نوک چھاتی کی طرف سے پار نکل گئی۔ بلاک مین صاحب اپنی آئین اکبری میں لکھتے ہیں۔ کہ اللہ اکبر کا نعرہ زبان سے بلند کر کے بیرم نے جان دی۔ اکبر نے اس کے لڑکے کا خاطر خواہ انتظام کر دیا۔

اور مضبوطی کی تجویزیں کرے جن کو باہم ملا کر ایک سلطنت بنانے کا اس نے پختہ ارادہ کر رکھا تھا فی الحقیقت اس کا عہد حکومت اس تاریخ سے شروع ہوا کیونکہ اب اس کا کوئی وزیر عملی طور پر اختیارات شاہی برتنے والا نہیں رہا تھا اور اس نے بذاتِ خود حکومت کرنی شروع کی کیونکہ وہ اتالیق جس نے سلطنت کے کل اختیارات خود سنبھال رکھے تھے اب نہیں رہا تھا۔ اب ملک کی آئندہ حالت کا دارو مدار بالکل بادشاہ ہی کی عقل پر تھا۔

گیارہواں باب

اکبر کے عہد کی تاریخ

پانی پت کی لڑائی کو چار برس گزرے تھے کہ اکبر نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور یہی اس کی حکومت کا پہلا سال تصور کرنا چاہئے۔ اس وقت ملک ہند کی حالت یہ تھی کہ وہ صوبے جن کو آج کل پنجاب اور صوبجات متحدہ آگرہ واودھ کہتے ہیں وہ اس کے قبضے میں تھے۔ اور مغرب کی طرف گوالیار' اجمیر اور مشرق کی طرف لکھنؤ اور اودھ کا باقی ماندہ حصہ الٰہ آباد اور جونپور تک کا ملک اس کے ماتحت تھا بنارس' چنار اور صوبجات بنگال اور بہار پر خاندان سوری کے شہزادے یا اور افغانیہ خاندانوں کے جانشین قابض تھے۔ کل جنوبی ہند اور مغربی ہند کا بہت سا حصہ بھی اس کی حکومت سے خارج تھا۔

اس میں کلام نہیں کہ اکبر اس پانچ برس کے عرصے میں جو بیرم کی نگرانی میں گزرے تھے اس امر کو بڑے غور سے سوچتا رہا۔ کہ ہندوستان پر حکومت کرنے کا وہ کون سا طریقہ ہے۔ جس سے حاکم ومحکوم کے دل بادشاہ کے زیر سایہ پیوستہ ہو جائیں اس کے اس ارادے میں سخت مشکلیں نظر آتی تھیں۔ کیونکہ اس سے پہلے چار سو برس تک جو مسلمان بادشاہ حکمران رہے انہوں نے اس امر میں کچھ کوشش نہیں کی تھی کہ ملک ہند کی مختلف اقوام کو اس طرح پیوستہ کر دیں کہ ان کے اغراض مشترک ہو جائیں ہر ایک بادشاہ کی حکومت صرف عارضی ہوا کرتی تھی یہی سبب تھا کہ جب اس سے کوئی زیادہ طاقتور آتا تو مغلوب ہو جاتا اس تغیر تبدل سے لوگوں کے دل میں یہ پختہ یقین ہو گیا تھا کہ شاہی خاندان چند روزہ ہی ہوا کرتے ہیں اور خاندان مغلیہ کو بھی لوگ اسی نظر سے دیکھتے تھے۔ بنگال سے لے کر گجرات تک ملک میں کئی تخت کے دعویدار اور سابق شاہی خاندانوں کے دور کے رشتے دار تھے اور ہر ایک ان میں سے یہی سمجھتا تھا کہ اکبر کی حکومت بھی چند روزہ ہی ہے ممکن

ہے کہ اگر نصیب مدد کرے تو ان ہی میں سے ایک اٹھ کر اس کو دبا لے یا کوئی نیا حملہ آور اور باہر سے آ کر چھین لے۔ ابھی لوگ اس بات کو بھی نہ بھولے تھے کہ ہمایوں کس آسانی سے تخت سے اُتار دیا گیا تھا جس سے اُن کو پختہ یقین تھا کہ اس کے بیٹے کی حکومت بھی چند روز کی مہمان ہے۔ ہمایوں جب قنوج میں شکست کھا کر ہندوستان سے بھاگا تو گو اس ملک پر مغلوں کی حکومت 13 سال تک رہ چکی تھی لیکن اس کا یہاں کوئی نشان باقی نہیں رہا تھا اور نہ اس کی جڑ اس سرزمین میں کچھ پختہ ہوئی تھی۔

اکبر ان باتوں سے بخوبی واقف تھا اب اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہاں کے امیروں اور غریبوں کے دلوں سے یہ خیالات کس طرح دور کئے جائیں جو ملک اوروں نے دبا رکھے ہیں وہ کس طرح فتح کئے جائیں کہ قلمرو ایک ہو جائے اور فتح کے ساتھ ہی وہ اصولِ حکومت جن کو چھوٹا بڑا پسند کرے کس طرح رائج ہوں کہ سب بادشاہ کو اپنا ماں باپ تصور کریں اور یہ سمجھنے لگیں کہ صرف بادشاہ ہی ہم کو سب مصیبتوں سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ قدیمی حقوق اور رعایتوں میں کسی طرح کی کمی نہ ہوگی۔ اور بلا قید مذہب وذات وقوم کے جو شخص سب سے لائق ہوگا وہ بادشاہ کی سرکار میں منصب اعلیٰ پائے گا' با اختیار عہدوں پر ممتاز ہوگا اور بادشاہ تمام قوموں کے لئے یکساں قانون بنائے گا اور یکساں عدل کرے گا۔ جوں جوں اکبر کے خیالات ترقی پاتے گئے اس کے اصول حکمرانی ایسا رنگ پکڑتے گئے کئی متعصب مسلمان مؤرخوں نے اس پر یہ الزام لگایا ہے بلکہ اس کی زندگی میں ہی یہ الزام لگایا گیا تھا کہ خدا تعالیٰ کے اوصاف کا بے جا دعویٰ کرتا ہے یہ الزام صرف اس قدر درست ہے کہ ایک ایسے زمانے میں اور ایسے ملک میں جہاں کے لوگ صرف اسی اصول کو جانتے تھے کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ اکبر نے اپنے آپ کو خدا کی طرف سے پیغمبر بیان کیا یا یوں کہو کہ اقوام ہندوستان میں اتفاق مذہبی آزادی' عدل' رحم اور مساوات حقوق کو رواج دینے کے لئے وہ زمین پر خدا کا قائم مقام بن بیٹھا۔

اس کا سب سے پہلا مدعا یہ تھا کہ کل ہندوستان کو ایک سلطنت میں شامل کرے

اور اس خواہش کے پورا کرنے کی یہ ترکیب سوچی تھی کہ جس طرح مختلف اقوام کو اپنے سایۂ عاطفت میں لائے اسی طرح انہیں اپنی طرف رجوع بھی کرلے۔ اس کے طرزِ حکومت کو پورے طور پر سمجھنے کے لئے ہماری رائے میں مناسب ہے کہ اس مضمون پر دو پہلوؤں سے بحث کی جائے یعنی ملکی اور اخلاقی۔ اس باب میں ہندوستان کی مختلف ریاستوں کو ایک حکومت میں لانے اور ایک قانون کے ماتحت کرنے کے لئے جو متواتر کوششیں کی گئیں ان کا ذکر ہوگا۔ اگلے باب میں اخلاقی پہلو کا خصوصاً ذکر کیا جائے گا۔

اکبر کی فتوحات کا مفصل بیان اس قدر طول طویل ہے کہ اس کتاب میں اس کی گنجائش نہیں اتنا ہی تحریر کر دینا کافی ہے کہ اس کے عہدِ حکومت کے چھٹے سال میں جو اس کی شخصی حکومت کا پہلا سال تھا اس نے مالوے کو اپنی سلطنت میں دوبارہ شامل کرلیا چنار اور کرم ناسا کے مشرقی ملک کے افغان حاکم نے جونپور پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ مگر بادشاہ کے افسروں نے اس کو پیچھے ہٹا دیا اور خود اکبر کالپی کے راستے جمنا سے پار ہوا۔ اور قرا تک گیا جو دریائے گنگا کے دائیں کنارے الٰہ آباد کے نزدیک ہے وہاں اس کے افسر جو جونپور پر قابض تھے اس کے ساتھ شامل ہو گئے اور وہیں سے اکبر نے آگرے کی طرف مراجعت کی سال کے اختتام کے قریب مرتا کا محاصرہ ہوا جو اُس زمانے میں ریاست جودھپور کا ایک بڑا شہر تھا اور 76 میل شمال مشرق کی طرف اجمیر سے پرے واقع ہے ان دنوں اکبر اجمیر میں تھا اور وہیں اس نے اس مہم کا انتظام کیا مگر اس کی بجا آوری جرنیلوں کے سپرد ہوئی راجپوتوں کی فوج نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ لیکن اگلے سال موسمِ بہار میں اس شہر نے اطاعت قبول کی۔ اور شرط یہ ہوئی کہ فوج گھوڑوں اور ہتھیاروں سمیت قلعے سے باہر نکل جائے اور اپنا سب مال واسباب پیچھے چھوڑ جائے۔

1562ء میں مرتا فتح ہوا اسی سال اکبر کے افسروں نے جو مالوے میں تھے مغرب کی طرف بڑھ کر شہر بیجا گڑھ اور برہانپور کو جو دریائے تاپتی پر ہیں اس کی سلطنت میں شامل کر دیا اس فتح سے لینے کے دینے پڑ گئے کیونکہ ان شہروں کے حاکموں نے جو شہر

بدر کئے گئے تھے مالوے کے معزول افغان حکمران کے ساتھ شامل ہو کر اور ملک کے زمینداروں سے مدد لے کر جو مدت سے ان کی حکومت کے عادی تھے شاہی فوج پر جان توڑ حملہ کیا اور اُن کو جو ابھی برہانپور کی طرف سے مالا مال ہوئے تھے۔ شکست فاش دی۔ اس وقت تو مالوہ ہاتھ سے جاتا رہا۔ لیکن ابھی سال ختم ہونے نہ پایا تھا کہ مغلیہ جرنیلوں نے بہت سی فوج فراہم کر کے اس کو دوبارہ لے لیا۔ مالوے کا سابق افغان حاکم کچھ دن ادھر ادھر پھرنے کے بعد اکبر کے رحم کا طلب گار ہوا جس کو مورخ یوں بیان کرتے ہیں کہ "اس نے قسمت کی برگشتگی سے نجات پائی" کیونکہ اکبر نے اس کو ایک ہزاری بنا دیا اور تھوڑے دن بعد دو ہزاری کا منصب عطا کیا یہ سردار اپنے نئے آقا کی خدمت ہی میں جاں بحق ہوا۔ اس سے ناظرین پر عیاں ہو جائے گا کہ اکبر کس طرح ہمیشہ اس اصول پر عمل کرتا تھا کہ دشمنوں کو برباد کر کے اپنا مخالف بنانے کی بجائے اُن کو عہدے مرتبے اور عزتیں دے دے کر اپنا گرویدہ بنانا بہتر ہے چونکہ اس بادشاہ کا مدعا یہ تھا کہ سب کو ملا کر ایک جان کر دے اسی واسطے یہ مغلوب دشمن کے ساتھ ہمیشہ فیاضی سے سلوک کرتا تھا۔ وہ ان طاقتور لوگوں کو اپنے ساتھ شامل کر لینا پسند کرتا تھا تا کہ وہ بیکار نہ پڑے رہیں۔ اور کچھ فساد نہ کھڑا کر دیں جو مخالف اس کے مقابلہ کرنے کی طرف راغب ہوتے۔ ان کو یہ خیال دلاتا کہ اگر بادشاہ تم پر فتح پائے گا یا تم اس کی اطاعت قبول کر لو گے تو اس سے تمہاری عزت میں کسی طرح کا فرق نہ آئے گا بلکہ آخر کار اس میں ترقی ہوگی جب ہم راجپوتانے کے مختلف راجاؤں کے ساتھ اکبر کے سلوک کا ذکر کریں گے تو اس اصول کا عملدرآمد صاف طور پر واضح ہو جائے گا۔

اکبر کے عہد حکومت کے آٹھویں سال کے موسم بہار میں ایک ایسا غمناک واقعہ ہوا جس سے تمام دربار پر غم کی گھٹا چھا گئی ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ بادشاہ اپنی انا کو جس نے بچپن میں اس کی خدمت کی تھی اور ایام طفولیت میں اس کی نگراں رہی تھی کس محبت اور عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا بیرم کے ساتھ جو کچھ اکبر نے کیا وہ اسی کے مشورے سے کیا تھا شاہی محل میں اس کے رہنے سہنے کے لئے بڑا امیرانہ سامان

تھا۔ اور اکبر نے اس کے لڑکوں کو اعلیٰ اعلیٰ منصب عطا کئے تھے اس کے بل پر بڑا لڑکا بعض اشخاص کی ترقی سے جن کو وہ اپنے برابر یا کم رتبہ سمجھتا تھا بڑا حسد کرنے لگا اور اپنے ہی جیسے حاسد لوگوں کی ترغیب سے اس نے وزیر اعظم کو بر سر اجلاس قتل کر ڈالا اور پھر اس بھروسے پر کہ اکبر ہمیشہ اس پر اور اس کے خاندان پر مہربانی کیا کرتا ہے حرم سرائے کے دروازے پر جا کھڑا ہوا۔ مگر اکبر کو ایسے آدمی اور ایسے ظالمانہ فعل پر بالکل رحم نہ آیا اسی وقت قاتل کے ٹکڑے ٹکڑے کروا دیئے گئے اور اس کی لاش فصیل کے اوپر سے خندق میں پھینکوا دی گئی اور وہ لوگ جنہوں نے اس کو یہ ترغیب دی تھی اس خوف سے کہ مبادا ان کی سازش ظاہر نہ ہو جائے جمنا کے پار بھاگ گئے مگر گرفتار ہوئے اور آگرے کو واپس بھیجے گئے۔ لیکن آخر کار ان کے قصور معاف ہوئے۔ قاتل کی ماں اپنے بیٹے کے غم میں چالیس دن کے بعد مر گئی۔

اکبر کو کچھ مدت پہلے سے پنجاب کے ایک حصے کا بڑا فکر لگ رہا تھا کیونکہ قوم گکھڑ کی عادت ہمیشہ فتنہ و فساد برپا کرنے کی تھی۔ اور اس قوم کے سرداروں نے کبھی دل سے بادشاہان مغلیہ کی اطاعت قبول نہ کی تھی اب جو احکام ان کے ملک کے انتظام کے لئے اکبر نے جاری کئے تھے وہ بھی انہوں نے نہ مانے جو حاکم بادشاہ نے ان پر مقرر کیا تھا اس کی اطاعت انہوں نے نہ کی یہ لوگ پنجاب کے اس حصے میں رہا کرتے تھے جو اب ضلع راولپنڈی کا شمال مشرقی حصہ ہے اور اب تک ان کی اولاد وہیں آباد ہے اکبر بادشاہ نے اپنے حکم کی تعمیل کرانے کے لئے ایک فوج اس علاقے میں بھیجی جس نے کچھ جنگ و جدل کے بعد انتظام قائم کر دیا۔

گکھڑوں کا سردار قید ہو گیا اور حراست ہی میں فوت ہوا کابل میں کچھ فساد برپا ہو گیا تھا اکبر نے اس کو بھی فرو کرایا۔ ابو المعالی نے جسے ہمایوں اپنے تمام ہوا خواہوں سے بہتر خیال کرتا تھا ایک سازش کھڑی کی تھی۔ اس کی بھی عین وقت پر سرکوبی ہوئی۔ اس سے پیشتر بھی کئی دفعہ ابو المعالی سے حرکات ناشائستہ سرزد ہوئی تھیں مگر اکبر نے ان پر بھی کافی سرزنش کر دی تھی لیکن اب یہ سردار مکہ شریف سے حج کر کے واپس آیا تھا اور

اس گھمنڈ میں پھولا نہ سماتا تھا ابوالمعالی یہاں تک مغرور ہوا کہ ایک اور دل شکستہ امیر سے سازش کر کے نارنول کے قریب شاہی فوج کے دستے پر جا پڑا۔ اور اس کو فنا کر ڈالا اکبر نے اس کے تعاقب میں فوج بھیجی جس سے وہ ڈر کر کابل بھاگ گیا اور وہاں سے ندامت اور توبہ سے بھری ہوئی عرضیاں اکبر کو بھیجیں اور سال آئندہ کے شروع ہوتے ہی وہ بدخشاں میں گرفتار ہو گیا اور پھانسی دیا گیا۔

اکبر چاہتا تھا کہ الہ آباد کے مشرق کی طرف کے صوبوں کو بھی سلطنت مغلیہ میں شامل کر لے مگر 1564ء کے موسم بہار تک اس مطلب کے حاصل کرنے کے لئے کوئی کارروائی عمل میں نہ لا سکا اس زمانے میں چنار کو علاقہ جات مشرقی کی کنجی سمجھتے تھے اور عادل خاندان کا ایک غلام اس پر قابض تھا۔ اکبر کے کسی جرنیل کی دھمکی میں آکر اس غلام نے بادشاہ کو لکھا کہ میں چنار حضور کے حوالے کر دینے کو تیار ہوں۔ چنانچہ اکبر نے یہ قلعہ لینے کے لئے اپنے دو امیر روانہ کئے اور غلام مذکور نے قلعہ ان کے سپرد کر دیا۔ جب چنار پر قبضہ ہو گیا تو ضلع نرسنگھ پور کا راستہ کھل گیا جس پر ایک رانی حکمران تھی جو چوڑا گڈھ میں اجلاس کیا کرتی تھی مغلیہ سپاہ نے اس پر چڑھائی کی اور سخت لڑائی کے بعد رانی کو شکست ہوئی اور نرسنگھ پور اور موجودہ ضلع ہوشنگ آباد کا کچھ حصہ مملکت شاہی میں داخل ہو گیا اس سال موسم گرما میں اکبر شکار کے بہانے سے وسطی اضلاع کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں برسات نے بڑا پریشان کیا اور ندیاں چڑھی ہوئی تھیں مشکل سے ان کو عبور کر کے نروار پہنچا۔ جو اس زمانے میں ایسا بارونق و آباد شہر تھا کہ اس کی آبادی 20 میل تک پھیلی ہوئی تھی چند روز اس شہر کے گرد و نواح میں شکار کر کے مالوے کی طرف رخ کیا اور راوا اور سارنگ پور سے ہوتا ہوا مشہور شہر مانڈو کی طرف چلا۔ جو میئو سے 26 میل میں جنوب مغرب میں ہے۔

اکبر نے ایک اُزبک امیر کو اس شہر کا حاکم مقرر کر رکھا تھا وہ خوب جانتا تھا کہ بادشاہ مجھ سے ناخوش ہے اور اس کی خوشی بھی واجبی ہے۔ اور گو بادشاہ نے معافی کا پیغام بھی بھیج دیا مگر اس کا اعتبار نہ کیا اور جونہی بادشاہ مانڈو پہنچا یہ وہاں سے چل دیا اور راپنے

ہمرائیوں سمیت باغی ہوگیا اکبر نے اس کے پیچھے ایک فوج بھیجی جس نے گجرات کی سرحد تک اس کا تعاقب کیا اور اس کے گھوڑے ہاتھی اور بیگمیں چھین لیں۔

مانڈو میں اکبر کا خاطر خواہ استقبال ہوا گرد و نواح کے اضلاع کے زمینداروں کے غول کے غول خدمت بجا لانے کے لئے حاضر ہوئے۔ اور خاندیس کے ملک کے بادشاہ نے جو یہاں سے بہت دور و دراز فاصلے پر تھے اس کو خیر مقدم کہنے کے لئے سفیر بھیجا اکبر نے سفیر کی بڑی عزت کی یہاں یہ بیان کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کے رواج کے مطابق جب اکبر نے سفیر کو رخصت کرنے کے لئے دربار کیا تو اس کے آقا کے نام ایک فرمان بدیں مضمون اسے دیا کہ "اپنی لڑکیوں میں سے کوئی ایک لڑکی جو بادشاہ کی خدمت گزاری کے لائق ہو مانڈو بھیج دے" مورخ لکھتے ہیں کہ جب خاندیس کے بادشاہ مبارک شاہ کو جب یہ مرحمت آمیز مراسلہ پہنچا تو وہ خوشی کے مارے پھولا نہ سمایا اور اپنی لڑکی کو بیش قیمت جہیز دے کر مناسب خدمت گاروں کے ساتھ شہنشاہ کی خدمت میں روانہ کر دیا اور اس کو بڑا ہی فخر کا باعث سمجھا۔ مانڈو میں تھوڑے دن ٹھہرنے کے بعد اکبر اجین' سارنگ پور' سپری' نروار اور گوالیار کے راستے آگرے واپس آ گیا اس کے بعد جو سردی کا موسم آیا اس کا بہت سا حصہ اکبر نے اضلاع گوالیار میں شکار کرنے میں صرف کیا۔

آگرے کا لال قلعہ ایک قابل دید مقام ہے شاید ہی کوئی ایسا فرنگی سیاح ہوگا جس نے اس کی تعریف نے کی ہو جب اکبر تخت نشین ہوا تھا تو اس وقت آگرے میں اینٹوں کا بنا ہوا ایک بے قطع اور بوسیدہ قلعہ تھا اکبر نے کچھ عرصے پہلے سے یہ مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ اس ٹوٹے پھوٹے قلعے کی جگہ ایک ایسا قلعہ بنا دے جو شہنشاہ کی شان کے لائق ہو۔ اور 1565ء کے موسم بہار میں جو اب کے معمول سے ذرا پیچھے ہوا تھا اس نے نقشے منظور کر کے احکام ضروری جاری کر دیئے اس کی تعمیر قاسم خاں کے اہتمام سے ہوئی اس نامور عہدہ دار کو اکبر نے سہ ہزاری کا منصب عطا کر رکھا تھا۔ آٹھ برس کی متواتر کوشش کے بعد 35 لاکھ کی لاگت سے یہ قلعہ تیار ہوا یہ تو ہم بیان کر چکے ہیں

کہ یہ لال پتھر کا بنا ہوا ہے۔ سلیں آپس میں ایسی پیوستہ ہیں کہ ذرا بھی کہیں درز نظر نہیں آتی اور یہ سلیں لوہے کے ماشوں سے جڑی ہوئی ہیں جو ان کے بیچ میں سے گزرتے ہیں۔ قلعے کی بنیاد ہر طرف سے پانی تک گئی ہوئی ہے۔

یہ سال ختم نہ ہونے پایا تھا کہ ایک ایسا واقعہ ہوا جس سے اکبر کو یہ دکھانے کا موقع ملا کہ اگر ناگہانی ضروریات آ پڑیں تو اس کی قوتِ فیصلہ اور سرعتِ عملی کیسی ہے ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ جب بادشاہ مانڈو پہنچا تو اس شہر کا ازبک حاکم خوف زدہ ہو کر بھاگ نکلا اور باغی ہو گیا تھا اور اکبر نے تعاقب کر کے اس کی گوشمالی کی تھی گو اس کے ساتھ کچھ بہت سخت سلوک نہ ہوا پھر بھی شاہی دربار اور فوج میں جو ازبک امرا تھے۔ ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا۔ کہ بادشاہ کو ازبک قوم سے نفرت ہے اور تین چار نے سازش کر کے بغاوت اختیار کی۔ یہ بغاوت موسم خزاں میں جونپور کے مقام پر ظاہر ہوئی اس شہر کے حاکم کو ازبکوں نے اپنی طرف کر لیا تھا جب اکبر کو یہ خبر پہنچی تو وہ نروار میں ہاتھیوں کا شکار کر رہا تھا۔

اسی وقت بادشاہ نے اپنے سب سے لائق افسر کو جتنی فوج اس وقت ہو سکی دے کر اپنے وفادار امیروں کی مدد کے لئے روانہ کیا اور خود اس ارادے پر پیچھے ٹھہر ا رہا کہ اور فوج جمع کر کے روانہ ہو کوئی دس دن بعد خود اس نے بھی کوچ کیا۔ جب قنوج پہنچا تو وہاں ایک باغی سردار نے اس کی اطاعت قبول کر لی یہاں دس دن اس انتظار میں ٹھہرا رہا۔ کہ دریا جو بارش کے باعث چڑھا ہوا تھا اتر جائے۔ پھر یہ خبر پا کر باغیوں کا سرغنہ سردار لکھنو کی طرف بلا تاخیر اس کے پیچھے چل کھڑا ہوا اور برابر 24 گھنٹے کوچ کر کے اگلے دن کی صبح کو اس شہر کے سامنے جا پہنچا۔ اس کے پہنچتے ہی باغی فوراً وہا ں سے مفرور ہو گئے بادشاہ اور اس کے ہمراہیوں کے گھوڑے جو اتنی بڑی منزل طے کرنے کے سبب تھک کر چور ہو چکے تھے ان کا پیچھا نہ کر سکے باغی سردار جلدی سے جونپور واپس جا پہنچا اور اپنے ہمراہیوں سمیت وہاں سے روانہ ہوا اور دریائے گھاگرا سے نربن کے گھاٹ پر جو چھپرے سے 40 میل شمال مغرب کی طرف ہے۔ پایاب

اتر کر خیمہ زن ہوا۔ یہاں سے انہوں نے بنگالے کی طرف اپنے قاصد بھیجے اور اس ملک کے بادشاہ سے مدد کی استدعا کی۔

اس اثنا میں ایک شاہی فوج ان کے سامنے آموجود ہوئی جس کا افسر یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح اس جھگڑے کا خاتمہ کشت وخون ہوئے بغیر ہی ہو جائے۔ اور ایک فوج جس کا افسر نہایت پر جوش اور اپنی دھن کا پکا تھا راجپوتانے کی طرف سے بڑھی چلی آتی تھی امن جو جرنیل نے جو صلح کے لئے عہد وپیمان کئے تھے وہ ابھی ختم نہ ہونے پائے کہ پر جوش سردار آ پہنچا۔ اور اس کارروائی کو مکر وفریب قرار دے کر جنگ کرنے پر آمادہ ہو گیا سخت لڑائی ہوئی آخر کار شاہی فوج شکست کھا کر بھاگ نکلی اور دوسرے دن شیر گڈھ میں پھر جمع ہوئی۔

اس لڑائی سے پیشتر اکبر صلح کی ان شرائط کو جو باغیوں کے ساتھ ہوئی تھیں منظور کر چکا تھا اور جب اس نے سنا کہ انہوں نے شاہی فوج پر فتح حاصل کر لی ہے تو وہ اپنے ارادے پر ڈٹا رہا اور اس کی زبانِ مبارک سے یہ نکلا کہ "میں نے سارے قصور معاف کئے" اور اپنے امرا کے نام فرمان بھیجے کہ دربار شاہی میں واپس آ جاؤ۔ پھر خود بادشاہ چنار کی طرف اس ارادے سے روانہ ہوا کہ وہاں ایک تو قلعے کی مضبوطی کا انتظام کرے دوسرے مرزا پور کے جنگلوں میں ہاتھیوں کا شکار کھیلے تیسرے دیکھے کہ وہ باغی جن کے پاس ہتھیار موجود تھے اور جن کا قصور اس نے معاف کر دیا تھا کیا کرتے ہیں اکبر کی یہ چال اس لائق نہ تھی کہ اس کا دوبارہ تجربہ کیا جائے کیونکہ فرح کے غرور میں آکر باغی سرداروں نے ازسرِ نو فساد قائم کر دیا مگر اکبر نے اپنی فوج کو بڑی عقلمندی سے اس طرح بانٹ دیا کہ باغیوں کو مجبوراً اطاعت قبول کرنی پڑی۔ جس سے کہ وہ موردِ عنایاتِ شاہی ہو گئے اس سال کے دوران میں شاہی فوج نے قلعہ رہتاس جو ملکِ بہار میں ہے لے لیا اور شاہ اڑیسہ کے پاس جو سفارت گئی تھی بیش بہا تحائف لے کر واپس آئی۔

1566ء کے موسمِ بہار میں شہنشاہ واپس آگرے پہنچا۔ ہندوستان کے مورخ لکھتے ہیں کہ ان ایام میں کہ جب کہ ملک میں امن ہوا کرتا تھا تو بادشاہ چوگان بازی

میں شام کا وقت صرف کر کے بڑا خوش ہوتا تھا۔ چوگان وہی کھیل ہے جس کو آج کل کے زمانے میں پولو (Polo) کہتے ہیں اور ہندوستان ہی سے یہ کھیل یورپ پہنچا ہے اکبر دن کے وقت تو اس کھیل کو اسی طرح سے کھیلتا تھا جس طرح آج کل تمام دنیا میں رواج ہے۔ مگر اس نے اندھیری راتوں میں بھی اس کھیل کو جاری رکھنے کا طریقہ نکالا تھا کیونکہ ہندوستان میں اندھیرا بہت جلدی ہو جایا کرتا ہے پلاس کی لکڑی بڑی ہلکی ہوتی ہے اور جب ایک دفعہ اس کو آگ سے روشن کر دیا جائے تو پھر بجھتی نہیں اس نے اس لکڑی کی گیندیں بنوائی تھیں۔ انہیں روشن کر کے اُن سے کھیلتے تھے اس کھیل میں اکبر اپنے زمانے کا یکتا تھا۔

اسی قسم کی خوشیوں میں مصروف ہی تھا کہ اس کو کابل اور لاہور کی بغاوت کی خبریں پہنچیں جن میں باغی کامیاب ہو گئے تھے اس نے جہاں تک ہو سکا بہت جلدی کر کے سال کے اختتام کے قریب ستلج کی جانب کوچ کیا دس دن میں دہلی پہنچا۔ وہاں سے سرہند اور وہاں سے بخوشی تمام لاہور میں وارد ہوا یہاں سے اس نے اپنے جرنیل روانہ کئے کہ باغیوں کو اٹک پار نکال آئیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا کابل میں جو فساد تھا وہ بھی ٹھنڈا پڑ گیا لیکن چونکہ بادشاہ صدر مقام سے دور شمال مغرب کی طرف چلا گیا تھا۔ اس لئے جونپور میں فساد ہو گیا اس سے صاف ظاہر ہے کہ اکبر 1566ء کے اختتام تک تو اس ضروری مسئلے کو کہ ہندوستان میں مستقل حکومت کس طرح قائم کی جائے کامیابی کے ساتھ نہ سوچ سکا پانی پت کی لڑائی سے لے کر اس وقت تک گیارہ سال ختم ہونے کو تھے مگر تاہم اس ملک میں اکبر اپنی سلطنت کی بنیاد ایسی پختہ نہیں کر سکا تھا کہ اگر اس کی جان پر کوئی حادثہ ہو جاتا تو تخت نشینی کا فیصلہ تلوار کے بغیر ہو سکتا۔ 1567ء کے شروع میں بھی یہ لاہور ہی رہا اور شکار کرنے اور عیش و عشرت میں اپنا وقت گزارتا جب اس کو یہ خبر لگی کہ ازبک امرا جن کے قصور معاف کر چکا تھا اس کی عدم موجودگی کے سبب دلیر ہو کر از سر نو فساد مچانے لگے ہیں۔ تو یہ چوکنا ہوا 22 مارچ کو لاہور سے روانہ ہوا۔ اور آگرے کی طرف رخ کیا۔ جب

تھانیسر پہنچا جو ان دنوں علاقۂ سرہند میں تھا تو جوگیوں اور سنیاسیوں میں باہم لڑائی دیکھ کر بڑا محظوظ ہوا۔ لڑائی کی وجہ یہ تھی کہ جاتریوں نے سونا جواہرات اور اسباب بہت کچھ مندر پر چڑھاوے میں چڑھایا تھا اور دونوں فریق لینے کے لئے آپس میں جھگڑتے تھے جب دہلی پہنچا تو اپنی سلطنت کی ناپائیداری کی ایک اور علامت اس کے دیکھنے میں آئی ایک اسیرِ شاہی حاکمِ شہر سے آنکھ بچا کر بھاگ نکلا تھا اور شہر کا حاکم عتاب شاہی سے ڈر کر شہر سے بھاگ گیا اور باغی ہو گیا تھا۔

جب وہ آگرے پہنچا تو وہاں بھی ویسی ہی وحشت ناک خبر اس نے سنی کہ قنوج کے گرد و نواح کا ملک باغی ہو گیا ہے اور اکبر پر اب ظاہر ہو گیا کہ اس کے بہت سے امرا نا قابلِ اعتبار ہیں۔ جب حالت ایسی نازک ہو رہی تھی تو اکبر نے بھوج پور کی طرف کوچ کیا جو رائے بریلی کے ضلع میں ہے اور وہاں سے رائے بریلی کی طرف گیا۔ وہاں جا کے اس نے سنا کہ باغی کالپی کی طرف جانے کے ارادے سے گنگا سے پار اتر گئے ہیں بارش سخت ہو چکی تھی چاروں طرف پانی ہی پانی بھرا پڑا تھا لیکن اکبر کو تو لڑائی کی دھن لگی ہوئی تھی اپنی فوج کا بڑا حصہ قراۃ کی طرف روانہ کر دیا۔ اور خود منتخب فوج لے کر ملک پور کی طرف گیا۔ جو پرتاب گڈھ اور الٰہ آباد کے درمیان ہے۔ وہاں بادشاہ ہاتھی پر سوار ہو کر دریا پار ہوا۔ اور بڑی عجلت سے آگے بڑھا اور باغیوں کو مانگ پور گاؤں کے قریب جا دبایا اور شکست فاش دی۔ اُن کے سرغنہ کھیت رہے یا لڑائی کے بعد مارے گئے۔ میدان جنگ سے اکبر نے الٰہ آباد کی طرف کوچ کیا۔ ان دنوں میں اس کا نام پریاگ تھا۔ پھر بنارس اور جونپور سے ہوتا ہوا اور ملک میں امن و امان قائم کرتا ہوا آگرے واپس آ گیا۔

اکبر نے اپنے مشرقی قلمرو کو تو محفوظ سمجھ لیا تھا اس لئے عنانِ توجہ راجپوتانے کی طرف منعطف فرمائی میواڑ کا راجہ رانا اودے سنگھ جو راجپوتانے کے راجاؤں میں سب سے زیادہ قدیمی خاندان کا تھا۔ اس کی طبیعت میں کمزوری پرلے درجے کی ہٹ دھرمی کے ساتھ ملی ہوئی تھی چتوڑ کا مشہور قلعہ اس کا بڑا ملجا و ماوا تھا گو علاؤ الدین خلجی

نے 1330ء میں اس قلعے کو فتح کر لیا تھا مگر اب پھر اس کی نسبت یہ خیال ہو گیا تھا کہ اس کو فتح کرنا ناممکن ہے یہ قلعہ دریائے بناس کے کنارے ایک بڑی اُونچی مستطیل پہاڑی پر واقع ہے اور اس کی بیرونی دیوار بالکل پہاڑ کے ہم شکل ہے تقریباً سات ہزار عمدہ راجپوت سپاہی ایک سچے اور نمک حلال افسر کے ماتحت اس کی حفاظت کے لئے تعینات تھے۔ خوراک اور بے حد پانی اس میں مہیا تھا اور ہر طرح سے یہ قلعہ اس لائق تھا کہ اگر دیر تک محاصرہ رہے تو کچھ تکلیف محسوس نہ ہو۔

رانا نا امید ہو کر جنگل کی طرف بھاگ گیا اس لئے خود اکبر تو قلعے کے آگے جا جما اور اپنی فوج کو گردونواح کا ملک فتح کرنے کے لئے روانہ کر دیا جس قدر زور وشور سے محاصرہ ہوا۔ اسی قدر اس کا دلیری اور استقلال کے ساتھ راجپوتوں کی طرف سے مدافعہ ہوا ایسے زور آور سورماؤں کے ساتھ اکبر کا پالا کبھی نہ پڑا تھا۔ جوں جوں ان کی ثابت قدمی بڑھتی گئی اتنا ہی بادشاہ کو اپنی عزت کا خیال بڑھتا گیا۔ اور ارادہ پکا ہوتا گیا آخر کار یہ رپورٹ ہوئی کہ قلعے کی دیوار میں قابل گزر شگاف ہو گیا ہے مارچ کے مہینے میں ایک رات اکبر نے قلعے پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا اپنے لئے بادشاہ نے ایک مچان بنوایا۔ جہاں سے وہ کل لڑائی دیکھ سکتا تھا اور احکام بھی جاری کر سکتا تھا جب وہ ہاتھ میں بندوق لے کر اس پر چڑھ بیٹھا تو کیا دیکھتا ہے کہ بہادر راجپوت اپنے لائق افسر کے پیچھے فوج سے لڑنے کے لئے بڑے جوش وخروش سے جمع ہو رہے ہیں۔ مچان اور شگاف کے بیچ میں صرف دریا ہی تھا اس لئے وہاں سے سیدھا فاصلہ بہت کم تھا۔

مشعلوں کی روشنی سے اکبر نے راجپوت جرنیل کو آسانی سے پہچان لیا اور یہ اندازہ لگا کر کہ وہ خاصی طرح زد کے اندر ہے اس پر بندوق چلائی اور وہیں کھیت رکھا ابھی طرفین کی فوجیں ایک دوسرے کی طرف بڑھ رہی تھیں کہ اس نیک فال گولی نے راجپوتوں کو ایسا پست ہمت کر دیا کہ جب عین مقابلے کا موقعہ آیا تو انہوں نے بالکل ہمت ہار دی اور کچھ ایسا ویسا ہی مقابلہ کر کے بھاگ گئے یہ سچ ہے کہ اس کے بعد وہ ایک دفعہ پھر جمع ہوئے لیکن وقت ہاتھ سے جا چکا تھا اور گو اب کی دفعہ بڑی ہمت سے لڑے مگر جو کچھ ہاتھ سے

دے بیٹھے تھے اس کو دوبارہ نہ لے سکے دن چڑھتے چڑھتے تمام چتوڑ پر اکبر کا قبضہ ہو گیا۔ اس فتح کی خوشی میں اکبر نے جو منت مانی تھی وہ پوری کی یعنی شیخ معین الدین چشتی سیستانی کے مزار تک زیارت کے لئے پیدل گیا یہ ہندوستان میں مسلمانوں کے سب سے بڑے ولی ہیں۔ اور ان کی خانقاہ شہر اجمیر میں واقع ہے ابھی تک اکبر اپنے بچپن کی تربیت کا پابند تھا یہ اجمیر میں دس دن رہا اور پھر میوات کے راستے وہاں سے آگرے آ گیا۔

اکبر نے موسم بہار اور برسات آگرے ہی میں گزاری پھر اس نے رنتھمبور کو فتح کرنے کا ارادہ کیا جو جے پور کے علاقے میں ایک مضبوط قلعہ ہے لیکن اس مہم کے واسطے جو فوج بھرتی کر کے بھیجی تھی وہ ابھی راستے ہی میں تھی کہ گجرات میں فساد کھڑا ہو گیا اور اس کے بعد اسی طرف سے وسط ہند پر حملہ ہوا۔ اس لئے اکبر کو اس فساد کے رفع کرنے کے لئے مجبوراً اپنی فوج اس طرف بھیجنی پڑی۔ اس نے پھر ارادہ کیا کہ ایک اور فوج لے کر بذات خود تھمبور پر چڑھائی کرے چنانچہ دوسرے برس یعنی 1569ء کے اوائل میں اس نے ایسا ہی کیا اور قلعے کو فتح کرتے ہی آگرے کی طرف مراجعت کی اور رستے میں شیخ معین الدین چشتی کی خانقاہ کی زیارت کے لئے ایک ہفتہ اجمیر میں ٹھہرا۔

اسی سال اس نے فتح پور سیکری کی بنیاد ڈالی۔ جس کے عظیم الشان کھنڈروں کو دیکھ کر آج کل کے سیاح عش عش کرتے ہیں۔ طبقات اکبری کا مصنف اس تعمیر کا حال یوں لکھتا ہے کہ اکبر کے ہاں دو توام لڑکے پیدا ہوئے تھے جن میں سے ایک بھی زندہ نہ رہا پھر شیخ سلیم چشتی نے جو آگرے سے جنوب مغرب کی طرف 22 میل کے فاصلے پر سیکری میں رہتے تھے ایک جیتا جاگتا بیٹا خدا سے دلوانے کا اقرار کیا اکبر کو اس اقرار کے پورا ہونے کی قوی امید تھی۔ اس لئے وہ رتھمبور سے واپس آنے کے بعد کئی دفعہ پیر صاحب سے ملنے گیا اور ہر دفعہ دس دس بیس بیس دن اُن کے پاس رہا آخر کار وہیں ایک ٹیلے کی چوٹی پر بادشاہ نے اپنے واسطے ایک محل بنانے کا حکم دیا اس ولی اللہ نے بھی شاہی مکان کے نزدیک ایک نئی مسجد اور ایک نیا مکان فقیروں کی سکونت کے لئے

بنوانا شروع کیا ان مکانوں کو دیکھ کر امرا کے دل میں بھی ایک امنگ پیدا ہوئی اور وہ اپنے لئے وہاں مکان بنوانے لگے اور اسی طرح وہاں ایک شہر آباد ہو گیا۔

ابھی محل شاہی تیار ہی ہو رہا تھا کہ اکبر کی ایک بیگم حاملہ ہو گئی اور اکبر نے اس کو اسی واجب التعظیم فقیر کے گھر لے جا کر رکھا۔ جب کچھ دن بعد اکبر نے گجرات فتح کی تو اپنے اس دل پسند شہر کے نام کے ساتھ لفظ فتح پور اس نے اور لگا دیا اس وقت سے اس جگہ کا نام تاریخ میں فتح پور سیکری چلا آتا ہے۔ جب سال ختم ہونے پر آیا تو بادشاہ کی بیگم کے بطن سے اسی بزرگ فقیر کے گھر میں ایک فرزند ارجمند تولد ہوا۔ جس کا نام اس ولی اللہ کے نام پر سلیم رکھا گیا اور وہ پھر جہانگیر بادشاہ کے نام سے مشہور ہوا اس کی ماں جودھ پور کے راجہ کے خاندان کی ایک راج کماری تھی اس امر مبارک کی یادگار میں اکبر نے فتح پور سیکری کو اپنا مستقل قیام گاہ بنالیا اور اس کے گرد ایک قلعے کی سی سنگین فصیل بنوائی۔ اور اس میں چند عالیشان عمارتیں تعمیر کرائیں۔ اس کے بعد وہ ایک دفعہ پھر پیادہ پا خواجہ بزرگ کی زیارت کو اجمیر شریف گیا اور زیارت کے بعد دہلی واپس آیا۔

سالِ آئندہ کے شروع میں اکبر نے راجپوتانے کے بیچوں بیچ میں سفر کیا اور ناگور میں جو علاقہِ جودھ پور میں ہے مقام فرمایا وہاں راجہ کے لڑکے نے اس کی اطاعت قبول کی جو اس زمانے میں راجپوتانے کی سب سے زیادہ طاقتور ریاست تھی۔ بیکانیر کے راجہ اور اس کے لڑکے نے بھی اطاعت منظور کی ریاست بیکانیر کی وفاداری کی اکبر نے اس طرح قدر کی کہ راجہ کی لڑکی سے شادی کر لی۔ کچھ دن ناگور میں جنگلی گدھوں کا شکار کر کے دل بہلایا۔ کیونکہ اس زمانے میں یہ جانور اس شہر کے گرد بہت ہوا کرتے تھے اور پھر وہاں سے دیپال پور کی طرف بڑھا۔ جو پنجاب میں ہے وہاں اکبر نے ایک بڑا عالیشان دربار کیا۔ اور نیا سال شروع ہوتے ہی لاہور چلا آیا پنجاب کے معاملات طے کرنے کے بعد اس ارادے سے کہ اگلا سال گجرات کی فتح میں صرف کرے فتح پور سیکری واپس چلا آیا۔

اکبر کے زمانے میں صوبہ گجرات میں مفصلہ ذیل علاقے اور اضلاع شامل تھے سورت، بھڑوچ، کیرا، احمد آباد، آج کل کی ریاست بڑودہ کا بہت سا حصہ۔ مہی کانٹھ اور ریوا کانٹھ کی موجودہ زمانے کی اجنسیاں، پنچ محال، پالن پور، رادھن پور، بالسنا، کھمبے، کھانڈیا اور کاٹھیاواڑ کا بڑا جزیرہ نما علاقہ جات مذکورہ کے اس بے ترتیب مجموعے کا عرصہ دراز تک کبھی کوئی ایک جائز حاکم مسند نشین نہیں ہوا تھا بلکہ اس کے کئی ضلعے تھے ہر ایک کا حاکم ایک مسلمان سردار ہوا کرتا تھا یہ سردار اور قوم کا ہوا کرتا تھا اور رعایا اور قوم کی کئی سال متواتر خانہ جنگیاں اس ملک میں برپا رہیں کیونکہ سردار رعایا کو تنگ کر کے روپیہ وصول کرتے تھے تا کہ اور سرداروں پر پورا پورا اقتدار جمانے کے لئے سامان مہیا کریں کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کسی قریب کے صوبے کی کمزوری سن کر حکمران جوش میں آجاتے اور حملہ کرنے کی غرض سے چند روز کے لئے جتھا بنا لیتے تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گجرات بدانتظامی کا مرکز بن گیا تھا رعایا مظلوم تھی۔ اور چھوٹے چھوٹے راجواڑے جو ان پر حکمران تھے صرف اس بات پر آمادہ تھے کہ اوروں کو لوٹ کھسوٹ کر خود فائدہ اٹھائیں۔ اکبر مدت سے اس بدانتظامی کے نتائج اپنے دل میں محسوس کر چکا تھا اب اس نے یہ ارادہ کیا کہ ہمیشہ کے لئے اس کا خاتمہ کر دیا۔

اکبر کا گجرات پر فوج کشی کرنا اس کے عہد کا سب سے مشہور جنگی معرکہ ہے اس نے سب سے پہلے یہ پکا ارادہ کر لیا تھا کہ اس معرکے کی تجویزوں میں یا ان کے عملدرآمد میں کسی طرح کی بھی غلطی نہ ہونے پائے۔ جب سے ہندوستان کا ایک بڑا حصہ اس کے تحت حکومت آیا ہے یہ پہلا ہی موقع تھا اس کو یقین ہو گیا کہ جب تک یہ مہم رہے گی امرا اور جاگیردار نمک حلالی پر قائم رہیں گے۔ وہ ستمبر 1572ء میں فتح پور سیکری سے اپنی فوج لے کر روانہ ہوا۔ اور سانگانیر کے راستے جو جے پور سے 18 میل جنوب کی طرف ہے وسط اکتوبر میں اجمیر پہنچا۔ وہاں دو دن خانقاہ حضرت شیخ معین الدین چشتی کی زیارت کے لئے ٹھہرا۔ وہاں سے دس ہزار سوار آزمائش کے طور پر آگے بھیجے اور خود فوج کا بہت سے حصہ لے کر پیچھے پیچھے چلا اور ناگور کی طرف

روانہ ہوا جو جودھ پور سے 75 میل مشرق کی طرف ہے جب یہاں پہنچا تو ایک سوار یہ خوش خبری لے کر آیا کہ بادشاہ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے اس کا نام شہزادہ دانیال رکھا۔ وہاں چودہ دن فوج کی رسد رسانی کا انتظام کرنے کے لئے قیام کیا وہاں سے نومبر کے مہینے میں پٹن پہنچا۔ جو دریائے سرتی پر ہے اور شروع دسمبر میں احمد آباد پہنچ گیا۔ احمد آباد کے راستے ہی میں گجرات کے برائے نام سب سے اعلیٰ سردار کی طرف سے اطاعت کا پیغام آ پہنچا۔ احمد آباد میں جو اس زمانے میں گجرات کا سب سے بڑا شہر تھا اکبر مغربی ہندوستان کا بادشاہ مشتہر کیا گیا۔

لیکن ابھی کئی ایسے سرداروں کا تدارک کرنا باقی تھا جو اپنی حکومت ہاتھ سے دینی نہیں چاہتے تھے بھڑوچ' بڑوہ اور سورت کے حکمران بھی ان میں شامل جونہی شہنشاہ احمد آباد میں بہبودی ملک کا انتظام کر کے فارغ ہوا اسی وقت کیھے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اور پانچ دن میں وہاں جا پہنچا مورخ لکھتے ہیں کہ یہاں پہلے پہل اکبر نے سمندر کا نظارہ دیکھا وہاں ایک ہفتے کے قریب ٹھہر کر دو دن میں بڑودے پہنچا۔ وہاں جا کر اس نے ملک کے انتظام کو مکمل کیا اور احمد آباد کو دارالخلافہ قرار دے کر آ گرے سے جو امیر اس کے ساتھ آئے تھے ان میں سے ایک کو وہاں کا حاکم مقرر کر دیا وہاں اس نے بھڑوچ اور سورت پر قبضہ کرنے کے لئے ایک فوج روانہ کی اتنے میں بادشاہ کو خبر لگی کہ بھڑوچ میں حکومت مغلیہ کا جو بڑا مددگار تھا اس کو وہاں کے حاکم نے مروا ڈالا ہے اور خود ملک کے اندر جا گھسا ہے یہاں تک وہ پھرتا پھرتا بڑودے سے پندرہ میل کے فاصلے پر آ پہنچا ہے اسی کو ساتھ لے کر اس کے پیچھے لپکا۔ اور دوسری ہی رات کو ایسی جگہ جا پہنچا۔ جہاں سے سارسا کے مقام پر جو ایک چھوٹی سی ندی کے پار واقع تھا دشمن کے خیمے نظر آنے لگے۔

اس وقت اکبر کے ساتھ صرف چالیس سوار تھے چونکہ دریا پایاب تھا اس نے یہ کوشش کی کہ جب تک اور فوج نہ پہنچے اپنے آدمیوں کو چھپائے رکھے رات ہی کو ساٹھ آدمی اور آ پہنچے۔ اور اکبر سو آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ ہزار آدمیوں کی فوج پر حملہ کرنے

کے لئے دریا سے پار اترا باغی سردار نے شہر میں حملے کا انتظار کرنے کی بجائے میدان کی راہ لی تاکہ اس کی فوج کو جو تعداد میں کہیں زیادہ تھی بہتر موقع ملے اکبر نے دھاوا کر کے شہر کو لے لیا اور پھر اس کا پیچھا کیا میدان میں کئی تنگ سڑکیں اِدھر اُدھر جاتی تھیں جن کے دونوں طرف تھور کے درختوں کی باڑ لگی ہوئی تھی اکبر کے سوار ایک ایسی جگہ میں بند ہو گئے جہاں صرف تین آدمی ایک قطار میں پاس پاس کھڑے ہو کے لڑ سکتے تھے اور ناگ پھنی کے دونوں طرف دشمن کی فوج تھی۔ بادشاہ اپنی فوج کے آگے آگے تھا اور اس کے ایک طرف بہادر راجپوت جے پور کا راجہ بھگوانداس تھا جس کی بہن سے بادشاہ نے شادی کر لی تھی اور دوسری طرف بھگوانداس کا بھتیجا مان سنگھ جو اپنے زمانے کا بڑا سورما اور چچا کے راج کا وارث تھا اس وقت ان تینوں کی جان بڑے خطرے میں تھی کیونکہ دشمن ان پر ٹوٹ پڑنے کی حد سے زیادہ کوشش کر رہے تھے لیکن وہی ناگ پھنی جو ان کی صف آرائی کی مانع تھی اب ان کی حفاظت کا سبب ہو گئی کیونکہ دشمن اس میں سے گزر نہ سکتے تھے اسی اثنا میں راجہ بھگوانداس نے اپنے برچھے سے دشمن کے ایک افسر کو جس سب سے آگے تھا مار گرایا اور اکبر اور مان سنگھ نے دو اور کو کھیت رکھا یہ دیکھ کر ان کی آن میں دشمن کی فوج میں ہل چل پڑ گئی۔ اور اس موقع کو غنیمت جان کر یہ تینوں آگے بڑھے۔ ان کے سپاہیوں نے جب یہ دیکھا کہ بادشاہ کی جان خطرے میں ہے تو انہوں نے بھی اپنی جان کی پرواہ نہ کی اور وہ ایسے جان توڑ کر لڑے کہ دشمن بھاگ نکلا باغی سردار کے ہمراہیوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ ہمارا پاسا ہلکا ہے اس لئے ان سے اکبر کے سپاہیوں جیسی جانفشانی اور ثابت قدمی ظاہر نہ ہوئی جیسا موقع پاتے گئے وہ ایک ایک کر کے پیچھے رہتے گئے اور باغی سردار خود اپنے ماتحتوں سے علیحدہ ہو گیا اور جوں توں کر کے احمد آباد اور بے میں سے ہوتا ہوا سروہی جا نکلا جو راجپوتانے میں ہے۔

اس اثنا میں بھڑوچ فتح ہو چکا تھا اور صرف سورت ہی باقی رہ گیا تھا مذکورہ بالا مہم سے واپس آ کر خود اکبر اس شہر پر جا چڑھا۔ اور چاروں طرف فوج ڈال دی جہانگیر اور شاہجہاں کے عہد میں انگریزی سوداگر بندرگاہ ہونے کے سبب اس شہر سے خوب

واقف ہو گئے تھے اس زمانے میں جو آلات فصیل توڑنے کے کام آتے تھے سورت کی فصیل کے مقابل میں ان کی کچھ حقیقت نہ تھی لیکن اکبر نے بڑی ہمت سے محاصرے کو قائم رکھا آخر قلعے کی فوج نے ایک مہینہ سترہ دن محصوری کی حالت میں سخت مصیبتیں جھیل کر اطاعت اختیار کر لی جب تک صوبہ گجرات کے معاملات کا انتظام مکمل نہ ہوا یہ سورت ہی میں رہا اس کے بعد آگرے کی طرف مراجعت کی اور اس مہم کے باعث نو مہینے غیر حاضر رہ کر 4 جون 1573ء کو آگرے واپس پہنچا۔

ابھی اکبر نے سورت کا محاصرہ کر ہی رکھا تھا کہ وہ باغی سردار جس کو اُس نے سارسا کے مقام پر شکست دی تھی اور وہ بھاگ کر سروہی چلا گیا تھا فساد برپا کرنے کے لئے پھر آمادہ ہو گیا بلکہ ایک اور طاقتور سرکش امیر اس کے ساتھ مل گیا مقام پاٹن پر شاہی فوج سے ان کا مقابلہ ہوا جس کو شکست ہونے ہی کو تھی کہ باغیوں کی فوج لوٹنے کے لئے پھسل گئی یہ دیکھ کر مغلیہ فوج پھر جمع ہو گئی اور دشمن کی فوج کو چیرتی ہوئی ان کے عین وسط میں جا پہنچی اور اکبری فوج نے دشمن کی فتح کو شکست سے مبدل کر دیا اس کار نمایاں کی خبر اکبر کو سورت ہی کے محاصرے میں پہنچ گئی باغی سردار اب بھی باز نہ آیا راجپوتانے میں سے ہو کر پنجاب کا رستہ لیا گو راستے میں اُس نے دو تین دفعہ شکست بھی کھائی لیکن وہ صحیح سلامت نکل گیا اور پانی پت' سونی پت اور کرنال کو لوٹتا ہوا پنجاب پہنچا۔ یہاں شاہی فوج نے مقابلہ کر کے اس کو شکست دی اور کئی جوش انگیز و ولولہ خیز واقعات کے بعد ماہی گیروں کی ایک جماعت نے ملتان کے نزدیک اس کو زخمی کر کے گرفتار کیا اور اسی زخم سے وہ مر گیا یہ بڑا سورما تھا اس لئے اس سے مخلصی پانی بھی ایک بڑی بات تھی یہاں بھی یہ ذکر کئے دیتے ہیں کہ مضبوط قلعے کو جو دوآبہ جالندھر میں ہے لینے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی محاصرین نے تو محصورین کو سخت تنگ کر رکھا تھا مگر اس باغی کے حملے کے باعث جو ملتان کے قریب فوت ہوا تھا فوج شاہی کو محاصرہ اٹھا لینا پڑا۔ اور پھر اکبر کے بیٹے جہانگیر کے عہد میں کانگڑہ فتح ہوا۔

اکبر صوبہ گجرات سے یہ خیال کر کے روانہ ہوا تھا کہ یہ صوبہ کامل طور پر مطیع ہو گیا

ہے اور اس کے انتظام کو وہاں کی رعایا نے خوشی سے منظور کر لیا ہے اور لوگ اس پر اعتماد کرنے لگے ہیں اور ان کے دلوں میں اس کی محبت پیدا ہو گئی ہے لیکن اس نے اس امر پر اچھی طرح غور نہیں کیا کہ جو لوگ ایک دفعہ خود حکومت کر چکتے ہیں وہ کس قدر حکومت کے مشتاق ہوتے ہیں آگرے میں آئے ہوئے ابھی اسے بہت دن نہ گزرے تھے کہ اس صوبے کے چھوٹے چھوٹے سردار جن کی حکومت جاتی رہی تھی فوج جمع کر کے ملک کو تنگ کرنے لگے اکبر نے پختہ ارادہ کر لیا کہ اس بغاوت کی بیخ و بنیاد ہی نہ رکھنی چاہئے اس لئے اس نے مغربی ہند پر دوسری یلغار کی تیاریاں کیں اور اپنی فوج کو پہلے ہی سے روانہ کر کے خود ستمبر کے مہینے میں اتوار کے روز صبح کے وقت تیز رفتار سانڈنی پر سوار ہوا کہ لشکر سے جا ملے باگ ہاتھ میں لے کر ایسا ہوا کہ ٹوڈے میں جا کر دم لیا جو آگرے سے 70 میل جے پور اور اجمیر کے بیچ میں واقع ہے تیسرے دن صبح کو اجمیر پہنچا۔ حسب معمول شیخ معین الدین چشتی کی خانقاہ کی زیارت کی شام کو گھوڑے پر سوار ہو کر آگرے کی راہ لی اور پالی کے مقام پر جو دیسے کی سڑک پر ہے۔ اپنی فوج سے جا ملا اس طرف کے جنگی افسروں نے بھی کچھ فوج جمع کر رکھی تھی مگر منتظر تھے کہ بادشاہ آئے تو آگے بڑھیں۔ یہ بھی پاٹن کے نزدیک ان سے جا ملا۔

بادشاہ کی فوج باغیوں کی فوج کے مقابلے میں تھوڑی تھی لیکن اس میں سب سے چیدہ آدمی تھے تیز رفتاری سے بھی بادشاہ کو بڑی مدد پہنچی۔ باغیوں نے ابھی یہ بھی نہ سنا تھا کہ اکبر آگرے سے چل نکلا ہے کہ یہ ان کے قریب جا پہنچا وہ ابھی احمد آباد کے نزدیک اپنے اپنے خیموں میں پڑے سوتے ہی تھے کہ اکبر نو دن کی منزل تین دن میں طے کر کے ان کے سر پر جا کھڑا ہوا۔

طبقات اکبری کا مصنف لکھتا ہے کہ ''شاہی فوج میں اس بات کا بڑا خیال ہو رہا تھا کہ ایک بے خبر دشمن پر جا پڑنا بہادری نہیں تا وقتیکہ وہ اٹھ نہ بیٹھیں۔ انتظار کرنا چاہئے'' اس بات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بھی آئینِ جنگی کا لحاظ رکھتے تھے اس لئے حکم دیا گیا کہ بگل بجائیں ایک تو باغی سردار کے جاسوسوں نے اس کو

یہ خبر دی تھی کہ چودہ دن ہوئے بادشاہ آگرے میں تھا دوسرے فوج کے ساتھ ہاتھی نہ تھے۔ صرف سوار ہی سوار تھے اس لئے باغیوں نے جانا کہ یہ فوج شاہی نہیں ہو سکتی۔ تاہم وہ جنگ کے لئے تیار ہوئے۔ بادشاہ نے پھر بھی آئین جنگی کو مدنظر رکھ کر جب تک غنیم تیار نہ ہوا انتظار کیا پھر دریا کو عبور کیا اور پار جا فوج کو آراستہ کر خونخوار شیر کی طرح دشمن پر جا پڑا۔ فوج مغلیہ کا ایک اور دستہ اس وقت پہلو کی طرف سے دشمن پر جا گرا۔ دشمن مقابلے کی تاب نہ لا سکے۔ شکست فاش کھائی اور سرغنہ زخمی ہو کر اسیر ہوا۔

ایک گھنٹے کے بعد ایک اور پانچ ہزار آدمیوں کا مخالف گروہ نمودار ہوا ان کو بھی شکست ہوئی اور سردار مارا گیا اس لڑائی اور تعاقب میں باغیوں کے تقریباً دو ہزار آدمی کام آئے اس سے فارغ ہو کر اکبر احمد آباد گیا پانچ دن وہاں قیام کیا مستحق لوگوں میں انعام واکرام تقسیم کئے اور صوبے کا پختہ انتظام کیا پھر محمود آباد گیا جو ضلع کیرہ میں ایک شہر ہے اور وہاں سے سروہی اور سروہی سے براہ راست اجمیر پہنچا۔ وہاں شیخ کے مزار کی زیارت کی پھر وہاں سے دن رات کوچ کرتا ہوا جے پور سے 14 میل کے فاصلے پر ایک گاؤں میں ٹھہرا۔ تاکہ راجہ ٹوڈرمل سے مشورہ کرلے کہ ملک گجرات پر مال گزاری کس طرح لگائی جائے یہ راجہ اکبر کے بڑے لائق افسروں میں سے تھا اور آخر میں دیوان یعنی صیغہ مال کا اعلیٰ افسر ہو گیا تھا اس گاؤں سے بادشاہ سید ھا فتح پور سیکری گیا اور 43 دن باہر رہنے کے بعد بڑی دھوم دھام سے شادیانے بجواتا ہوا شہر میں داخل ہوا۔

اکبر چاہتا تھا کہ کل ہندوستان پر میری حکومت ہو جائے اس کی یہ خواہش یہاں تک برآئی کہ جب اس کا اٹھارہواں سال جلوسی ختم ہوا تو شمال مغربی ہند وسط ہند اور غربی ہند مع پنجاب و کابل اس کی سلطنت میں شامل ہو چکے تھے اور مشرق کی طرف اس کی حکومت کرم ناسا کے کنارے تک تھی اس دریا کے پار بہار اور بنگالہ تھے جو اس وقت خودمختار تھے اور ان سے بعض صورتوں میں اندیشہ رہتا تھا اب اکبر نے مصمم ارادہ کرلیا کہ اگر کوئی امر مانع نہ ہو تو اس کا انیسواں سال جلوسی بنگالہ اور اس کے متعلق ریاستوں کے فتح کرنے میں ہی صرف ہو اس نے حسب معمول اس مہم پر روانہ ہونے

سے پیشتر خانقاہ اجمیر کی زیارت کی۔

ہم اکبر کے دھاووں اور اس کی فوج کے یلغاروں کا تو بہت کچھ ذکر کر چکے ہیں لیکن ابھی تک اس اصول کا ذکر نہیں کیا جس کے موافق یہ کوچ ہوا کرتے تھے زمانہ سابق کا تو کیا ذکر ہے اسی زمانے میں ایسے جنگی آدمی ہوئے ہیں جنہوں نے جنگ کا خرچ جنگ ہی سے نکالا ہے جب خاندانِ مغلیہ کی طاقت ضعیف ہوگئی تھی تو وہ خراسانی اور افغانی وحشی جو ہندوستان پر ان دنوں حملہ آور ہوئے اسی اصول پر چلتے تھے لیکن اکبر کا یہ اصول نہ تھا اول تو وہ جنگ ہی کا مخالف تھا صرف اسی صورت میں مجبور ہو کر جنگ کرتا تھا کہ جب دیکھتا تھا کہ جنگ کے بغیر قیام سلطنت و انتظام مملکت ممکن نہیں اور سمجھ لیتا تھا کہ اگر فلاں نقص رہ گیا تو سلطنت کمزور پڑ جائے گی اور ایک ہی حملے میں نیست و نابود ہو جائے گی وہ اس بات کا خوب انتظام کرتا تھا کہ اس کے اپنے آنے جانے سے یا فوج کے کوچ کرنے سے زمینداروں اور مزارعوں کا کچھ نقصان نہ ہونے پائے اور اس اصول کی پوری پوری تعمیل کرنے کے واسطے اس نے یہ حکم دیا تھا کہ خیمے نصب کرنے کے لئے جب کوئی خاص مقام مقرر ہو جایا کرے تو اس بات کی نگرانی کے لئے چوکیدار مقرر کئے جائیں کہ گرد و نواح کی مزروعہ زمین روندنے میں نہ آجائے اس نے اس بات کے لئے ثالث مقرر کئے کہ جب فوج روانہ ہو جائے وہ پڑاؤ کو دیکھیں اور جو کچھ نقصان ہوا ہو اس کی قیمت سرکار کے نام لکھیں جو زر مال گزاری میں سے وضع ہو۔ طبقات اکبری کا مصنف یہ لکھتا ہے کہ ''اکبر کی تمام مہموں میں یہی قاعدہ برتا جاتا تھا اور بعض وقت روپیوں کی تھیلیاں افسروں کے حوالے کر دی جاتی تھیں کہ وہ رعایا اور کاشتکاروں کے نقصان کا اندازہ کر کے اسی وقت معاوضہ ادا بھی کر دیں اور افسران مال تک نوبت ہی نہ پہنچے'' یہی تجویز اس مغربی قوم کی ہے جو خاندانِ مغلیہ کے بعد حاکم ہندوستان ہوئی اس سے وہ لوگ جن کی زمینوں میں سے فوج کو گزرنے کی ضرورت پڑتی تھی جنگ سے نہ ڈرتے تھے۔ اکبر ابھی حضرت معین الدین چشتی کی خانقاہ میں بارہ دن تک قیام کرے گا اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اتنے میں ہم

بہار اور بنگال کے معاملات پر نظر ڈالیں۔

جب صوبجات شمال مغربی پر مغلوں نے دوبارہ فتح پائی تو بنگالہ اور بہار ایک ہی حاکم کے ماتحت تھے جو قوم کا افغان تھا۔ یہ کاغذوں میں اکبر کو شہنشاہ قبول کر چکا تھا مگر یہ اقرار صرف کاغذوں ہی میں رہا نہ تو کبھی اس نے خراج دیا اور نہ کسی طرح کی اطاعت ہی قبول کی جب اکبر نے دوسری دفعہ گجرات پر چڑھائی کی تو اس وقت یہ بادشاہ مر گیا اور امرا نے اس کے لڑکے کو جو گدی پر بیٹھا تھا بڑی جلدی مروا ڈالا اور ایک زبردست سازش کر کے اس کے چھوٹے بھائی داؤد خاں کو تخت پر بٹھا دیا داؤد کو عیش و عشرت کے سوا اور کسی بات کی پروا نہ تھی اور اس کی تخت نشینی سے لودھی خاندان کے ایک امیر نے جو رہتاس گڑھ واقع ضلع شاہ آباد کے قلعے میں باغی ہو گیا تھا اپنے تئیں خو دمختار مشتہر کر دیا پر ان دونوں فریقوں میں کچھ صلح سی ہو گئی مگر داؤد نے عہد شکنی کر کے لودھی امیر کو جو اس پر پورا پورا اعتبار رکھتا تھا دغا سے گرفتار کر کے مروا ڈالا۔ جونپور کے مغلیہ حاکم کو اکبر کی طرف سے پہلے ہی یہ ہدایت پہنچ چکی تھی کہ معاملات بہار کی طرف سے خبردار رہے اور جیسا موقعہ پائے ویسی ہی کارروائی کرے جونہی اس کو یہ خبر پہنچی تو یہ کرم ناسا سے پار اُتر کر پٹنہ کے شہر پر جا چڑھا اس شہر کے گرد بڑی مضبوط فصیل تھی۔ داؤد کو مغلوں کی فوج کے سامنے میدان جنگ میں آنے کا حوصلہ نہ پڑا اس لئے اس میں پناہ گزین ہوا قصہ کوتاہ جب اکبر گجرات سے واپس آیا تو یہی حالت تھی جنگ کا اہتمام اپنے ہاتھ میں لینے کی خواہش سے اکبر نے اپنے صوبے دار کو یہ حکم بھیجا کہ جب تک میں نہ آؤں جنگ ملتوی رہے اور خود اجمیر کی زیارت سے جلدی جلدی فارغ ہو کر جس کا اوپر ذکر آ چکا ہے وہ دریا کے راستے فوج لے کر فوراً الٰہ آباد پہنچا مگر یہاں ٹھہرا نہیں دریا کے راستے بنارس پہنچا تین دن وہاں قیام کیا پھر کشتی میں سوار ہو کر وہاں پہنچا جہاں دریائے گومتی گنگا میں گرتا ہے وہاں کوئی خبر اس کے صوبہ دار جونپور کی طرف سے نہ پہنچی اس لئے اس نے ارادہ کیا کہ دریا ہی دریا جونپور جائے۔

جونپور کے راستے ہی میں وہاں کے حاکم کی طرف سے عرضی پہنچی کہ جہاں تک

ہو سکے جلدی حضور تشریف لائیں۔ اس نے شہزادوں اور بیگموں کو تو کشتی ہی میں
چھوڑا اور ملاحوں کو حکم دیا کہ انہیں جونپور کی طرف لے جاؤ اور خود واپس پھرا اور اس
جگہ پہنچا جہاں فوج ٹھہری ہوئی تھی اس کو حکم دیا کہ دریا کے کنارے کنارے کشتیوں
کے ساتھ ساتھ کوچ کرے اور آپ چوسے سے چلا گیا جہاں ناظرین کو یاد ہوگا کہ شیر
خاں نے ہمایوں کو شکست دی تھی یہاں یہ خبر پہنچی کہ دشمن نے پٹنہ سے باہر نکل کر
محاصرین کو بہت نقصان پہنچایا ہے اس لئے اکبر نے پانی کا رستہ ہی اختیار کیا اور
ساتویں دن اس نے ایک جنگ کی کمیٹی کی اس جلسے میں اس نے اپنی یہ رائے ظاہر کی
کہ پٹنہ پر حملہ کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ محاصرے کی فوج حاجی پور پر
اپنا قبضہ کرلے جو پٹنہ کے مقابل ایک شہر گنڈک اور گنگا کے عین مقام اتصال پر واقع
ہے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور اگلے دن حاجی پور فتح ہوگیا داؤد کچھ اس فتح سے اور کچھ
محاصرے کی طاقتور فوج سے ایسا ڈرا کہ آدھی رات کو پٹنہ خالی کر کے فتوا کی طرف بھا
گ گیا یہ مقام پوں پوں ندی کے پار اس جگہ واقع ہے جہاں یہ ندی دریائے گنگا میں
گرتی ہے اگلے دن اکبر بڑی دھوم دھام سے شہر میں داخل ہوا اس کو تو داؤد کے
پکڑنے کی دھن لگ رہی تھی اس لئے صرف چار گھنٹے یہاں ٹھہرا پھر فوج کو اپنے
نائب کے حوالے کردیا اور آپ کے برجستہ رسالہ لے کر دشمن کے تعاقب میں روانہ
ہوا گھوڑے پر تیر کر پوں پوں ندی پار ہوا اور تھوڑے ہی عرصے میں اس نے داؤد کے
ساتھیوں کو جالیا۔ اور ایک ایک کر کے ان کے اتنے ہاتھی پکڑ لئے کہ دریا پور پہنچنے تک
اس کے پاس 265 ہاتھی جمع ہوگئے دریا پور میں مقام لیا اور اپنے دو معتبر افسروں کو
حکم دیا کہ داؤد کے تعاقب میں لگے رہیں یہ 12 میل اور آگے گئے پھر معلوم ہوا کہ
داؤد ان کو جھانسہ دے گیا ہے اس لئے واپس پھر آئے۔

پٹنہ کی فتح سے بہار اکبر کے قبضے میں آگیا چھ دن یہ دریا پور میں اس صوبے میں
اپنی حکومت قائم کرنے کے واسطے ٹھہرا اور ظفر مند عہدہ دار کو جس نے اس ساری مہم کا
بندوبست کیا تھا یہاں کا حاکم مقرر کر کے خود وہاں سے جونپور کی طرف روانہ ہوگیا

یہاں تینتیس دن قیام کر کے سوچتا رہا کہ اس ملک کا عمدہ انتظام کس طرح ہو سکتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جونپور بنارس' چنار اور گردونواح کے اور محالات کو تو اس نے جو علاقہ شاہی میں داخل کیا اور کرم ناسا سے جنوب کی طرف کے نئے مفتوحہ ملک کا ایک بالکل علیحدہ علاقہ بنادیا۔

اس انتظام سے فارغ ہو کر آگرے کی طرف مراجعت کی اور راستے میں کانپور میں چار دن ٹھہرا یہاں اس کو یہ خبر لگی کہ اس کی بنگالے کی فوج کے سردار نے یکے بعد دیگرے منگیر' بھاگل پور' گڑھی اور ٹانڈے پر قبضہ کر لیا ہے اور آگے بڑھنے کے لئے تیاریاں کر رہا ہے آخرالذکر شہر دریائے گنگا کے کنارے گور کے مقابل ہے جو بنگالے کا قدیمی اور مشہور ہندوؤں کا پایہ تخت تھا جو سردار داؤد خاں کے تعاقب میں گیا تھا اس نے بڑی ہمت سے اپنے ارادے کو پورا کیا با جھوڑا پر اس کو شکست دی اور اسے یہاں تک مجبور کیا کہ آخر کار کٹک کے مقام پر اس کو اطاعت قبول کرنی پڑی اور اب بنگال کی فتح کا خاتمہ ہو گیا۔

اکبر اس خبر کو جو اسے کانپور پہنچی تھی سن کر خوشی کے مارے پھولا نہ سمایا اور مہم بنگال کی طرف سے مطمئن ہو کر دہلی چلا گیا اور چند روز وہاں شکار میں دل بہلا کر اجمیر کی طرف روانہ ہوا راستے میں بھی شکار کا شغل رہا۔ نارنول میں پنجاب اور گجرات کے نائب السلطنت اس کی ملاقات سے فیضیاب ہوئے اور یہ بات سن کر اکبر کو بڑا اطمینان ہوا کہ ہر جگہ اس کی حکومت لوگوں کے دلوں میں گھر کرتی جاتی ہے ان سے بات چیت کر کے اس نے اجمیر کی راہ لی اور زیارت سے مشرف ہوا جودھ پور کے جنگلوں میں ایک چھوٹے سے سردار نے فساد برپا کر رکھا تھا اس کو فرو کروا کے اپنے دل پسند شہر فتح پور سیکری کی طرف مراجعت کی۔

اکبر کو جو بار بار ادھر اُدھر جانے کا اتفاق ہوا تو راستے میں دیکھا کہ باوجودیکہ زمین سیر حاصل ہے اور رعایا بھی سست و کاہل نہیں پھر بھی ملک کا بہت سا حصہ غیر مزروعہ پڑا ہے سوچا کہ ان دونوں باتوں کے علاوہ خالی زمین کے رہنے کی وجہ کوئی اور

ہی ہوگی اس بات کی کما حقہ تحقیقات کرنے کے بعد اکبر نے یہ نتیجہ نکالا کہ قصور انتظام کا ہی ہے کیونکہ زمین پر اس قدر محصول لگایا جاتا ہے کہ کاشتکاری کرنے میں غریب آدمیوں کو کچھ بچتا نہیں اس کے خیال میں یہ بات آئی کہ اگر کسی تدبیر سے پہلے سال کا معاملہ سرکار اور کاشتکاروں میں تقسیم ہو جائے تو یہ نقص رفع ہو سکتا ہے کمال غور وفکر کے بعد اس نے یہ تجویز نکالی کہ تمام اضلاع کے پرگنوں کی پرتال کی جائے اور ان پرگنوں پر جن کی زمینوں کا معاملہ ایک کروڑ ٹکہ¹ کی آمدنی ہو ایک دیانتدار اور عقلمند عہدہ دار مقرر کیا جائے۔ جس کا خطاب کروڑی ہو دفتر شاہی کے محرر اور محاسب ان عہدہ داروں کے ساتھ انتظام کرلیں اور ان کو اپنے اپنے اضلاع میں بھیج دیں جہاں ان عہدیداروں کی نگرانی اور توجہ سے غیر مزروعہ اراضی بھی تین سال کے اندر مزروعہ ہو جائے اور سرکار کی آمدنی بڑھے چنانچہ اس تجویز پر عملدر آمد ہوا اور جن فوائد کی امید تھی وہ تمام فوائد حاصل ہو گئے ایک بات کے سوا اکبر کے عہد کا انیسواں سال ہر ایک پہلو سے اس نوخیز سلطنت کے لئے اقبال مندی کا سال تھا ہندوستان کے تمام ممالک شمالی ومغربی اور وسطی ومغربی تو پہلے ہی سے اکبر کے قبضے میں تھے اب بنگالہ اور بہار بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا فی الحقیقت ہندوستان کا وہ تمام خطہ جو بندھیاچل پہاڑ کے شمال کی طرف ہے اکبر کے تحت حکومت ہو چکا تھا کہ مغربی ہند میں سخت قحط اور وبا کی آفت نازل ہوئی جس کے سبب لوگوں کو سخت مصیبتیں اٹھانی پڑیں اس کے سوا باقی تمام ملک میں امن وامان تھا وہاں اناج کی قیمت بہت چڑھ گئی اور گھوڑوں اور گایوں کو درختوں کے چھلکے کھلانے پڑے چھ مہینے تک قحط اور وبا کی یہی صورت رہی۔

اگلے سال یعنی 1575ء کا پہلا حصہ داؤد کے تعاقب اور اڑیسے کی فتح میں صرف ہوا یہ تو ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس افغان نے مقام باجھوڑہ پر جو مغلماری اور جلیسر کے بیچ میں ہے کس طرح شکست کھائی اور کس طرح کٹک تک اس کا تعاقب کیا گیا

1- بلاک مین صاحب اپنے آئین اکبری میں (صفحہ 16 نوٹ) تحریر کرتے ہیں۔ کہ حسب بیان ابوالفضل ایک دام وزن میں پانچ ٹکے کے برابر تھا۔ دام ایک تانبے کا سکہ ہوا کرتا تھا اور 40 دام کا ایک روپیہ ہوتا تھا اس لئے ایک کروڑ ٹکہ 500000 روپے کے برابر ہوا۔

• آخر اس نے وہاں مقید ہو کر اطاعت قبول کی اب اس کے ساتھ یہ عہد و پیمان ہوا کہ وہ اکبر کی طرف سے اڑیسے پر حکمرانی کرے لیکن داؤد اپنے عہد و پیمان پر قائم نہ رہا جب اس کو حسب منشا موقع ملا فوراً اس نے بغاوت اختیار کی اور دو سال بعد فوج مغلیہ نے سخت جنگ کر کے اس کو زک دی یہ گرفتار ہوا اور نمک حرامی کی سزا اس کو یہ ملی کہ میدانِ جنگ میں اس کا سر تن سے جدا کیا گیا۔ مگر تاہم حکام مغلیہ کو بنگال اور اڑیسے کی طرف سے کچھ مدت تک ہوشیار اور مستعد پیکار ہی رہنا پڑا۔

اس سال ایک اور بڑا واقعہ یہ ہوا کہ بادشاہ نے فتح پور سیکری میں ایک عبادت خانہ بنوایا اس عالیشان محل میں عالم فاضل بڑے بڑے دانشمند اور لائق فائق لوگوں سے بادشاہ کی ملاقات ہوا کرتی تھی اس محل کے چار بڑے دالان تھے مغربی دالان سیدوں (یعنی حضرت محمد صاحب کی اولاد) کے واسطے مقرر تھا۔ جنوبی علما کے لئے مخصوص تھا شمالی میں وہ قابل تعظیم اشخاص بیٹھتے تھے جو بڑے روشن ضمیر اور خدا رسیدہ ہوتے تھے مشرقی دالان ان امرا اور سرکاری عہدے داروں کے واسطے تھا جو ان گروہوں میں سے کسی نہ کسی کے ساتھ ہم خیال ہوتے تھے جب یہ عمارت مکمل ہو گئی تو بادشاہ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ہر جمعے کی رات کو اور ایام متبرکہ کی راتوں کو وہاں جاتا اور ایک دالان سے دوسرے دالان کی سیر کرتا اور انہی لوگوں کی صحبت میں رات گزار دیتا وہاں کا یہ دستور ہو گیا تھا کہ ہر ایک دالان میں ایک شخص بادشاہ کی خدمت میں پیش ہوا کرتا تھا جس کو کل اہل مجلس بادشاہ کی توجہ اور عطیات کے لائق سمجھتے تھے جب بادشاہ جاتے ہمیشہ انعام و اکرام تقسیم فرماتے اور شاید ہی کوئی شخص محروم رہ جاتا ہو گا اس مکان کی عمارت اس سال کے اخیر میں تیار ہو گئی۔

سال آئندہ میں کوئی واقعہ نہیں ہوا ہاں 1577ء میں داؤد نے اڑیسہ میں وہ بغاوت برپا کی جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں یہ جنگ جب تک رہی اس کا فکر ہی لگا رہا لیکن داؤد اور اس کے چچا کی وفات سے اس کا خاتمہ ہو گیا۔

اس سال بھی راجپوتانے میں فساد ہوا راجپوتانے کے تمام راجاؤں میں سے

صرف رانائے میواڑ نے اکبر کے ساتھ اپنے خاندان کی لڑکیوں کا رشتہ کرنے سے انکار کیا تھا کیونکہ وہ راجہ اپنے آپ کو دیوتاؤں کی نسل میں سے خیال کرتا تھا۔ اس لئے ایسے رشتے کو ذلت کا باعث سمجھتا تھا جس زمانے میں اس کے پاؤں بالکل اکھڑے ہوئے تھے اس وقت بھی اس نے ایسی رشتہ داری سے انکار کر دیا تھا اگرچہ وہ دیکھتا تھا کہ راجہ جودھ پور جس کو وہ بہت حقیر سمجھتا تھا بادشاہ کی بات مان لینے سے مالا مال ہو گیا ہے چار ضلعے جن کی آمدنی بہت بیش قرار ہے اس کو مل گئے ہیں تاہم وہ انکار ہی کرتا رہا اور اپنی بات سے نہ ٹلا۔ اور اکبر کے مقابلے پر اڑا رہا حتی کہ 1568ء میں رانائے اودے سنگھ کی راجدھانی بھی اس کے ہاتھ سے جاتی رہی اور وہ راج پیپلا کے جنگل میں بھاگ گیا اور وہیں 1572ء میں مر گیا۔

اس کے بیٹے پرتاب سنگھ نے اپنے باپ سے تو وہی اس کی ہٹ مگر اپنے مشہور معروف دادا رانا سانگا سے کئی قابل تعریف اوصاف ورثے میں پائے اس کا کوئی دار الخلافہ نہ تھا کوئی سامان اس کے پاس نہ تھا اس کے رشتے دار اور ہم قوم ان مصیبتو ں سے جو اس کے خاندان پر آپڑی تھیں پست ہمت ہو چکے تھے مگر اس سبب سے کہ اس نے مسلمانوں کے ساتھ رشتہ کرنے سے انکار کیا تھا سب اس سے ہمدردی کرتے تھے اس حالت میں بھی پرتاب سنگھ نے کونبل میر میں جو ارولی پہاڑ میں ہے اپنے پیر جمائے۔ او رملک کا اس طریق پر انتظام کیا کہ از سر نو جنگ کر سکے۔ جب 1576-77ء میں سالانہ زیارت کے لئے اکبر اجمیر گیا تو پرتاب سنگھ کی تجاویز کی کچھ خبر اس کے کانوں تک پہنچی اس لئے اس نے اپنا بڑا معتبر جرنیل جو قوم کا راجپوت ہی تھا۔ یعنی جے پور کے رئیس مان سنگھ کو جو گجرات کے جنگ میں بادشاہ کا ہمرکاب رہ چکا تھا پانچ ہزار سوار دے کر رانا پرتاب پر بے خبر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ ہلدی گھاٹ کے مقام پر جس کو گوگندھ بھی کہتے ہیں دسمبر 1576ء میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا رانا کو شکست فاش ہوئی اور وہ ارولی پربت میں بھاگ گیا اکبر نے فوج کا ایک دستہ اس کے پیچھے پہاڑوں میں بھیجا کہ اسے کہیں پناہ نہ لینے دیں اور ان کو یہ حکم دیا کہ

راستے کا تمام ملک صاف کرتے جائیں اور خود میواڑ میں داخل ہوا یہاں کے انتظام کا فیصلہ کیا وہاں سے مالوے گیا۔ اور اس کی مغربی حد پر خیمہ زن ہوا شہر برہانپور کے متعلقہ علاقوں کا انتظام کیا اور گجرات کے انتظام میں اصلاح کی۔

پنجاب کے راستے میں ایک ایسا رخ کیا جس کا بیان کرنا صاحبان انگریز کے لئے جواب اس ملک کے مالک ہیں۔ دلچسپی سے خالی نہیں بادشاہ دہلی پہنچ کر اس سے ایک منزل آگے نکل گیا تھا کہ وہاں کوئی حاجی یورپ کی سیر کر کے آیا تھا اور بادشاہ کے ملاحظے کے لئے اپنے ساتھ نہایت عمدہ عمدہ اسباب اور نفیس نفیس کپڑے لایا تھا۔ وہ بادشاہ کے حضور میں پیش کیا گیا اس سے زیادہ اور کچھ معلوم نہیں کہ وہ یہ تحفے کس ملک سے لایا تھا اور اکبر کی رائے ان کی نسبت کیسی رہی ناظرین خود قیاس دوڑا لیں اکبر پنجاب میں تھوڑا ہی عرصہ ٹھہرا۔ پھر دہلی واپس چلا گیا۔ اور وہاں سے جا کر اجمیر کی زیارت سالانہ سے مشرف ہوا۔ وہاں صرف ایک رات ٹھہرا۔ اور نو آدمیوں کے ساتھ سو میل سے زیادہ روزانہ سفر طے کر کے تیسرے دن کی شام کو فتح پور سیکری پہنچا۔

1580ء اس قدر مبارک رہا کہ جو خوش حالی سلطنت کو اس سال نصیب ہوئی اس سے پیشتر کبھی نہ ہوئی تھی یہی نہیں کہ صوبہ بنگال میں صرف امن رہا بلکہ شاہی خزانے میں بہت سا روپیہ وہاں سے آیا ہاں ایک میواڑ کے راجہ کے تعاقب میں تو فوج شاہی مصروف تھی اس کے سوا ہندوستان میں اور کسی طرف سے ہتھیار چلانے کی آواز نہیں آتی تھی۔

اکبر نے ملک میں بار بار آنے جانے میں یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ کہاں تک اندرونی محصول کے لگنے سے تفرقے قائم رہتے ہیں جب ہندوستان کے صوبوں کے بادشاہ جدا جدا تھے اس وقت تو مضائقہ نہ تھا مگر اب ایک شہنشاہ کے ماتحت ہونے کے سبب ان کی ضرورت نہیں رہی 1581ء کے اوائل میں اس نے اپنی ساری قلمرو میں تمغا یعنی وہ محصول جو حدود ملک کے اندر لیا جاتا تھا موقوف کر دیا اور ہندوستان کے افغان بادشاہوں نے جو مسلمانوں کے سوا اور مذہب کے لوگوں پر جزیہ یعنی محصول فی کس لگا رکھا تھا وہ بھی اسی وقت بند کر دیا گیا بادشاہ کا قابل تعریف ارادہ یہ تھا کہ خیالات کی

آزادی ہونی چاہئے اور اس کی رعایا میں سے ہر ایک شخص کو اپنے طریق اور اعتقاد کے موافق عبادت کرنے کا اختیار ہو۔ اور آخری دم تک یہ بادشاہ اس اصول پر کار بند رہا اس سال کا سب سے بڑا ملکی معاملہ یہ ہے کہ بنگالے کے چند ناراض امرا نے بغاوت کی۔ چونکہ ان میں باہم کچھ اتحاد نہ تھا شکست کھا کر تتر بتر ہو گئے۔

اکبر کے بھائی محمد حکیم مرزا نے کابل سے پنجاب پر چڑھائی کی۔ اس لئے آئندہ سال یعنی 1582ء میں اکبر ایک فوج لے کر اس کی مدافعت کے لئے آیا ابھی پانی پت نہ پہنچا تھا کہ اس کا باغی بھائی لاہور کے نزدیک آ گیا جب اس کو اکبر کے آنے کی خبر پہنچی تو اپنی ناکامی کا اسے یقین ہو گیا اس لئے وہ لاہور سے پیچھے ہی کو ہٹ گیا اور کابل میں جا گھسا اکبر سرہند کلانور اور رہتاس کے راستے اس کے پیچھے ہو لیا جس جگہ اب شہر اٹک ہے وہاں دریائے سندھ کو عبور کیا اور جاتے جاتے اس جگہ قلعہ تعمیر کرنے کا حکم دیا۔

یہاں سے آپ تو پشاور چلا گیا اور اپنے بیٹے شہزادہ مراد کو کچھ فوج دے کر کابل فتح کرنے کے لئے روانہ کیا مراد دراز قد چھریرا' سانولے رنگ کا جوان آدمی تھا لیکن شراب بہت پیتا تھا اور اس کے بھائی شہزادہ دانیال کا بھی یہی حال تھا اور آخر کار یہ دونوں بھائی اسی میخواری کی بھینٹ چڑھے غرض شہزادہ مراد نے جلدی جلدی کوچ کر کے خرد کابل کے مقام پر اپنے چچا کی فوج کو جا دبایا اور شکست فاش دی اکبر اس کے پیچھے پیچھے اور فوج لے کر آ رہا تھا اور اس کے تین بعد وہ کابل میں داخل ہو گیا وہاں تین ہفتے رہا پھر اپنے بھائی کا قصور معاف کر کے کابل کی حکومت اسی کو عطا کر دی اور آپ خیبر کے رستے لاہور واپس چلا آیا اور پنجاب کی حکومت کا پختہ انتظام کر کے دہلی کے رستے فتح پور سیکری جا پہنچا۔ مؤرخ لکھتا ہے کہ ''وہ اب کے یہاں کچھ مدت ٹھہرا اور رعایا کے انصاف اور خیر و عافیت اور آراستگی ملک میں مصروف رہا''۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سال آئندہ بھی اس نے یہیں گزارا بنگال میں ابھی بغاوت کی چنگاری آہستہ آہستہ سلگ رہی تھی لیکن وہاں بڑے لائق و فائق شاہی عہدیدار موجود تھے جو ہمیشہ خبریں بھیجتے رہتے تھے اور بادشاہ بھی ان کے نام متواتر احکام جاری

کرتا رہتا تھا یہ فساد کوئی بڑا تو نہ تھا لیکن ہاں تکلیف دہ تھا اور زر لگان کے وصول کرنے میں اس سے سخت ہرج ہوا۔

1584ء کے آغاز میں بھی اکبر فتح پور سیکری ہی میں رہا اس سال کے بڑے بڑے واقعات یہ ہیں اول بنگالے میں امن کا قیام ہونا دوم گجرات میں فساد برپا ہونا اور فرو ہونا سوم اسیر گڑھ اور برہانپور کے حاکم کا سرکشی کرنا چہارم دکنف میں بغاوت کا پھوٹنا پنجم اکبر کے بھائی حاکم کابل کا فوت ہو جانا یہ ساری بغاوتیں فرو کی گئیں اور ایک نیا حاکم کابل بھیجا گیا سال کے اختتام پر تمام قلمرو میں سب طرح امن وامان ہو گیا۔

• جتنی ریاستیں سلطنت کے ماتحت تھیں ان سب میں جے پور کا راجہ بھگوانداس بڑھ کر رفیق نکلا اور نہ صرف یہی اکبر کی اعلیٰ جنگی خدمات بجالایا بلکہ اس کا بھتیجا مان سنگھ بھی شاہی ۔ج میں بڑے اعلیٰ عہدے پر ممتاز تھا جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس زمانے م یں یہی راجپوت راجا پنجاب کا حاکم تھا بادشاہ اس سے ایسا خوش تھا کہ اس کے خاندان میں اکبر نے اپنے بیٹے سلیم کی شادی کی۔ یہ شہزادہ اکبر کے بعد جہانگیر کے لقب سے بادشاہ ہوا۔ یہ شادی بڑی دھوم دھام کے ساتھ فتح پور سیکری میں ہوئی۔ اور اس کی تقریب میں بڑی خوشیاں منائی گئیں اکبر کے زمانے سے پیشتر راجپوت راجا مسلمان بادشاہوں کے ساتھ شادی کرنے سے نفرت رکھتے تھے مگر اکبر کی بڑی خواہش یہ تھی کہ مختلف اقوام کو باہم شیر وشکر کردے وہ اس اصول کو مروج کرنا چاہتا تھا کہ چاہے قوم اور مذہب کا کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو انسان سب یکساں ہیں اس کو کتنے ہی توہمات رفع کرنے کی مشکل پیش آئی جو خصوصاً راجپوتوں کی طرف سے تھے۔ مگر رانائے میواڑ کی ہٹ دھرمی کو مرتے دم تک نہ توڑ سکا۔

باقی راجپوت راجا اس قدر ضدی نہ تھے وہ سمجھ گئے تھے کہ اکبر ایسے اصول کا بانی ہے کہ ہندوستان میں اس سے پیشتر کسی نے ان کا نام بھی نہیں سنا تھا وہ لیاقت اور قابلیت کی قدر کرتا تھا چاہے کسی ہندو راجہ کی طرف سے ظاہر ہو۔ چاہے کسی اُزبک مسلمان کی طرف سے لائق آدمی کسی نسل اور مذہب کا کیوں نہ ہو اعلیٰ رتبے پانے اور عزت حاصل کرنے میں اس

کے لئے کوئی روک نہ تھی۔ اس وجہ سے راجہ بھگوانداس مان سنگھ اور ٹوڈرمل وغیرہ نے یہ جان لیا تھا کہ اس مسلمان بادشاہ کے ہاں ان کی ایسی قدرومنزلت ہے کہ اگر وہ اپنے موروثی علاقوں پر خودمختار حکمراں بھی ہوتے تو بھی انہیں ہرگز کبھی نصیب نہ ہوتی شاہی صوبوں پر ان کی حکومت تھی اور شاہی فوج ان کے ماتحت رہتی تھی اکبر کی پوشیدہ سے پوشیدہ کمیٹیوں میں بھی ان کا دخل تھا اس بادشاہ کا بڑا مدعا یہ تھا کہ زمانہ گزشتہ کے تمام تفرقات وتعصبات نیست ونابود ہو جائیں اور جو مقامی حکمراں اس کی اطاعت قبول کرلیں ان کے اختیارات مراتب واعزاز میں سرموفرق نہ آنے پائے بلکہ جو صوبے جدا جدا اور آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہورہے ہیں ایک بادشاہ کے ماتحت ہوکر باہم شیروشکر ہو جائیں۔

اس مدعا کے پورا کرنے کے لئے اکبر نے جو وسائل اختیار کئے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اپنے اور اپنے خاندانوں کے لڑکوں کی شادیاں ہندوستانی راجاؤں کی لڑکیوں کے ساتھ کردی جائیں وہ خوب جانتا تھا کہ جیسے شادی کرنے سے تفرقے مٹ جاتے ہیں یکجہتی اور اتحاد پیدا ہو جاتا ہے ایسا اور کسی طرح نہیں ہوسکتا راجپوت راجا خوب جانتے تھے کہ وہ ولی عہد یا بادشاہ کے ساتھ رشتہ داری ہونے سے وہ بے خطر ہوجاتے ہیں جب وہ اپنے دل میں سوچتے تھے کہ اکبر سے پیشتر ہندوستان کی حالت کیا تھی اس سے پہلے مسلمانوں نے پانچ سو برس میں جتنی فتوحات حاصل کیں ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ میل ملاپ کا تو کیا ذکر ہے۔ جھگڑے فساد ہزاروں برپا ہوگئے اور یہ بادشاہ جو لڑکپن ہی میں تخت نشین ہوگیا تھا گو اس وقت ناتجربہ کار اور طرز حکومت سے ناواقف تھا۔ پھر بھی اپنے ملک مفتوحہ میں اس نے عمدہ انتظام اچھی حکومت مذہبی آزادی اور عدل وانصاف جاری کیا یہ محض اس خیال سے ملک فتح کرتا تھا کہ ان اصول کے مطابق عملدرآمد ہونے لگے قوم یا مذہب کے اختلاف کو اس کے دل میں ذرا بھی جگہ نہ تھی اس لئے ہندولوگ جو یہ مانتے ہیں کہ پرمیشر اپنے بندوں کے فائدے کے لئے اوتار دھارا کرتا ہے ضرور اکبر کے سلوک کو دیکھ کر سمجھتے ہوں گے کہ یہ معمولی آدمیوں سے بڑھ کر ہے اس میں اوصاف الٰہی کسی قدر موجود ہیں اور یہ رحم مجسم ہے۔

اکبر غیر مذہب والوں کو بھی پوری پوری آزادی دیتا تھا اور جب ایک دفعہ کسی شخص پر اعتبار کر لیتا تو پھر اس کی طرف سے بدظن نہ ہوتا تھا اس نے رعایا کے ساتھ برتاؤ کے اصول اس قدر وسیع اور فیض رساں رکھے تھے کہ گو ہندوؤں کا مذہب اُن کی روزمرہ کی باتیں اور ان کے پیدائشی توہمات ان اصول کے برخلاف تھے۔ مگر پھر بھی ان پر اس بادشاہ کے خیالات نے اثر کیا ہی کیا اور اگرچہ ان لوگوں نے یہ تعلیم پائی تھی کہ ہندوؤں کے سوا اور تمام آدمی ناپاک ہیں لیکن جب اکبر نے اپنے فیاضانہ سلوک کے عوض میں ہندوؤں سے اس قدیم خیال کو ترک کرنے کی درخواست کی کیونکہ یہ خیال بادشاہ کے اصول اعظم کے برخلاف تھا تو ایک راجہ کے سوا اور سب نے اس کا کہنا مان لیا باقی ہندو اس بات کو بخوبی سمجھ گئے تھے کہ اس اصول کو محدود رکھنا نہیں چاہئے اور اپنے تنگ مذہب کے اس مسئلے کو ترک کرنے سے۔۔۔ کی رو سے غیر قوم میں شادی کرنی منع ہے یہ انتظام ضرور مضبوط ہو جائے گا جس کے طفیل ملک میں امن و خوشحالی پھیلی ہوئی ہے اور خود ان کی قدر و منزلت ہو رہی ہے۔

اکبر کو عہد حکومت کے اکتیسویں سال کے شروع میں خبر پہنچی کہ اس کا بھائی جو کابل میں حکمران تھا مر گیا اور قوم ازبک بدخشاں کے سرحدی صوبے کو لوٹ کر کابل پر حملہ کرنے کے سامان کر رہی ہے حالت نازک تھی اور نازل بھی ایسی کہ جس سے اس نے یہی فیصلہ کیا کہ اس وقت اس کا خود ہی وہاں پہنچنا نہایت ضروری ہے اسی واسطے نومبر کے وسط میں وہ ایک فوج لے کر پنجاب کی طرف روانہ ہوا اگلے مہینے کے اخیر میں ستلج تک پہنچا پھر سیدھا راولپنڈی گیا وہاں یہ سن کر غالباً کابل میں معاملات کی صورت اس کے حسب منشا ہو گی وہ اپنے نئے قلعہ اٹک کی طرف بڑھا اور وہاں سے ایک فوج دے کر بھگوانداس کو کشمیر فتح کرنے کے لئے بھیجا۔ دوسری فوج کو بلوچوں کی سرزنش کے لئے روانہ کیا اور تیسری کو سوات پر چڑھائی کرنے کے لئے حکم دیا ان تینوں مہموں میں سے اخیر مہم میں سخت مصیبت پیش آئی قوم یوسف زئی نے مغلوں کی اس فوج کو مار کر صرف پیچھے ہی نہیں ہٹا دیا بلکہ جب اکبر کا

رفیق راجہ بیر بل[1] کمک کے فوج لے کر پہنچا تو اس کو بھی انہوں نے مار کر نکال دیا اس مہم میں آٹھ ہزار آدمی کھیت رہے اور راجہ بھی کام آیا۔ مغلیہ فوج نے ایسی شکست کبھی نہ کھائی تھی اس دھبے کے مٹانے کے لئے بادشاہ نے اپنے سب سے اعلیٰ سپہ سالار راجہ ٹوڈرمل کو راجہ مان سنگھ رئیس جے پور کے ساتھ روانہ کیا یہ جرنیل بڑی احتیاط سے فوج لے گئے جس قدر آگے بڑھتے تھے فوج کے آگے تیز نوکدار لکڑیاں گاڑتے جاتے تھے آخر کار درہ خیبر کی کل قوموں کو انہوں نے کامل شکست دی۔

کشمیر پر جس فوج نے چڑھائی کی تھی وہ کسی قدر زیادہ کامیاب ہوئی اس کے سپہ سالار درہ شولیاس تک پہنچ گئے۔ جس کو اس ملک کے مسلمان بادشاہ نے روک رکھا تھا یہاں چند روز انہوں نے رسد کا انتظار کیا لیکن بارش ہونے لگی اور برف پڑنے لگی۔ اس کے علاوہ ان کو قوم یوسف زئی کی فتح یابی کی خبر پہنچ گئی۔ اس سے ان کا رہا سہا حوصلہ پست ہو گیا اور جلدی سے کشمیر کے فرمانروا کے ساتھ اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ اکبر بادشاہ کا برائے نام تابعدار رہے اور یہیں سے واپس چلے آئے۔ اکبر بڑی سرد مہری سے ان کے ساتھ پیش آیا اور ان کا دربار میں آنا بند کر دیا تا کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ ان کی کم ہمتی سے وہ ناراض ہے لیکن بادشاہ کے دل میں غصہ دیر تک نہ رہا کرتا تھا تھوڑے ہی عرصے میں ان کے قصور معاف ہو گئے۔

ان تین مہموں میں سے صرف اسی مہم میں فوراً کامیابی ہوئی جو بلوچوں کی سرکوبی کے لئے بھیجی گئی تھی۔ یہ جفاکش جنگجو قوم مقابلہ کئے بغیر ہی اکبر کے مطیع ہو گئی جب ٹوڈرمل اور من سنگھ کی کوششوں سے درۂ خیبر کا راستہ کھل گیا تو اکبر نے بہت سی فوج دے کر راجہ مان سنگھ کو جو جے پور کے راجہ کا بھتیجا اور ولی عہد تھا کابل کا حاکم بنا کر بھیجا اور اس کے بدلے علاقہ یوسف زئی میں اور فوج روانہ کر دی اور پشاور پر تو پختہ قبضہ پہلے ہی سے تھا۔ اب اکبر لاہور واپس آیا اور یہاں سے اس نے ایک اور فوج کشمیر سر

1۔ بیر بل قوم کا برہمن تھا۔ شاعر اور علم موسیقی میں بڑا ماہر تھا۔ اس کی فیاضی اور طبیعت کی سادگی مشہور ہے۔ اس کے چھوٹے چھوٹے دوہے ظرافت کی باتیں اور چٹکلے آج تک اقوام ہندوستان کے زباں زد ہیں۔ (دیکھو بلاک مین صاحب کی آئین اکبری صفحہ 45)

کرنے کے لئے روانہ کی جب یہ فوج 1587ء کے موسم گرما میں پہاڑی دروں کے قریب پہنچی تو وہاں سری نگر کے حاکم کے برخلاف ایک بغاوت پھیل گئی اس لئے شاہی فوج کو اس ملک میں داخل ہونے اور فتح کرنے میں کوئی تکلیف نہ ہوئی اور کشمیر سلطنتِ مغلیہ کا ایک صوبہ بن گیا اور اکبر کے بیٹے جہانگیر کے عہد سے ہندوستان کے مسلمان بادشاہ گرمی کے موسم میں یہاں جا کر رہنے لگے درۂ خیبر کے سر پر جمرود واقع ہے یہاں تک پہنچنے کے لئے مان سنگھ کو پہاڑی اقوام کے ساتھ ایک اور لڑائی لڑ کر فتح حاصل کرنی پڑی وہاں سے یہ کابل پہنچا اور اس ملک میں مستقل انتظام قائم کر دیا کابلیوں اور اُدھر کی اور قوموں کے سرداروں نے اکبر سے یہ شکایت کی کہ ان کو یہ گوارا نہیں کہ وہ ایک راجپوت کی حکومت میں رہیں۔ اس لئے اکبر نے مان سنگھ کو صوبہ داری کابل سے صوبہ داری بنگال پر تبدیل کر دیا۔ کیونکہ اس وقت بنگالے میں ایک زبردست حاکم کی ضرورت تھی کابل میں اس کی جگہ ایک مسلمان صوبہ دار بھیج دیا مگر اس کے ساتھ ہی اس نے اپنا ارادہ افغانستان میں جانے کا ظاہر کر دیا۔

1588ء میں سب سے پہلے اکبر نے اپنا قبضہ صوبہ سندھ پر جمایا پھر اگلے سال موسم بہار میں کشمیر کی طرف روانہ ہوا۔ جب بھمبر پہنچا تو شاہزادہ مراد کے پاس بیگمات کو چھوڑ گیا اور خود گھوڑوں کی خاص ڈاک بٹھا کر سری نگر پہنچا برسات کے شروع تک وہیں قیام کیا اور گرد و نواح کی سیر کرتا رہا جب برسات شروع ہوئی تو اپنی بیگمات کو رہتاس بھیج دیا وہ کابل جاتے وقت اٹک کے مقام پر اس سے مل گئیں پہاڑی درے سب کھلے تھے وہاں کی قوموں نے مخالفت کرنی چھوڑ دی تھی اس لئے اکبر اٹک کے پاس دریائے سندھ کو عبور کر کے آرام سے کابل جا پہنچا اور دو مہینے وہاں رہ کر تمام باغات اور مشہور مقامات کی سیر کی اور سب امیر و غریب اس کی ذات فیض آیات سے مستفید ہوئے 10 نومبر 1589ء کو راجہ ٹوڈرمل سرگباش ہوا اسی دن اکبر کا ایک اور ہندو دوست جے پور کا راجہ بھگوانداس پرلوک سدھارا۔ اکبر نے ان حادثات کی خبر کابل ہی میں سنی۔ اور کابل، گجرات اور جونپور کے علاقوں کی حکومت کا نیا انتظام

کر کے ہندوستان کی طرف مراجعت کی۔

یہ تو ہم پیشتر لکھ چکے ہیں کہ بنگالے کی حکومت کا انتظام پہلے ہی سے کیا جا چکا تھا 1590ء کی ابتداء میں وہ واپسی کے وقت لاہور پہنچا ابھی وہ یہیں قیام پذیر تھا کہ اس کو یہ خبر لگی کہ اس کی پیاری انا کے بیٹے جس کو اس نے تھوڑے دن ہوئے گجرات کا حاکم بنایا تھا کاٹھیاواڑ اور کچھ کے ساتھ کچھ چھیڑ چھاڑ شروع کر دی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ دونوں صوبے سلطنت شاہی میں شامل ہو گئے اور وہ افغانیہ نسل کا شہزادہ جس نے مغربی ہندوستان میں ہل چل مچا رکھی تھی خودکشی کر کے مر گیا قیام لاہور کو غنیمت سمجھ کر اکبر نے صوبہ سندھ میں پورا پورا امن قائم کرنے کا انتظام کیا کیونکہ اس صوبے کی حالت کچھ بگڑی ہوئی تھی لیکن اس صوبے پر کامل فتح پانے میں اس قدر مشکلات پیش آئیں کہ ان کا کبھی خیال بھی نہ آیا تھا اس مدعا کے پورا کرنے کے لئے اسے بہت سی فوج کی ضرورت ہوئی اور بڑے استقلال اور احتیاط کو کام میں لانا پڑا۔ دو سال تک یہ لڑائی جاری رہی اور اسی اثنا میں صوبہ کشمیر باغی ہو گیا۔

ان دو برسوں میں بادشاہ کا صدر مقام لاہور رہا اکبر کو پہلے ہی سے سندھ میں کامیابی کی امید تھی اس لئے اس نے اپنی فوج کا بہت سا حصہ بھمبر کی طرف روانہ کر دیا تھا اور خود چناب کے کنارے شکار کھیلتا رہا جونہی اس نے سنا کہ سندھ کامل طور پر فتح ہو گیا ہے تو اپنی فوج کے ساتھ ملنے کے لئے روانہ ہو گیا راستے میں اس کو یہ خبر ملی کہ گو دشمن کی طرف سے سخت مخالفت ہوئی ہے مگر ہراول فوج ایک درے میں سے گزر گئی ہے اس ماجرے نے جنگ کا فیصلہ کر دیا کیونکہ باغی ہو کر رات کے وقت اس پر جا پڑی اور اس کو قتل کر ڈالا اور سر کاٹ کر اکبر کے پاس بھیج دیا اس کے مرتے ہی اس بغاوت کا خاتمہ ہو گیا اکبر سرینگر پہنچا اور آٹھ دن قیام کر کے وہاں کا انتظام کرتا رہا اور پھر بارہ مولے کے راستے رہتاس پہنچا اور وہاں سے لاہور آیا یہاں آ کر اس کو یہ خبر لگی کہ اس کے بنگال کے نائب السلطنت راجہ مان سنگھ نے صوبہ اڑیسہ کو سلطنت مغلیہ میں کامل طور پر ملحق کر لیا ہے اور وہاں سے اس نے ایک سو بیس ہاتھی جو اس صوبے میں پکڑے

گئے تھے بادشاہ کی خدمت میں بطور تحفہ روانہ کیے ہیں۔

سال آئندہ میں بندھاچل پہاڑ کے جنوب کی طرف دکن کے صوبجات کو سلطنت شاہی میں شامل کرنے کی کوشش شروع ہوئی۔ اور آٹھ سال تک جاری رہی آخر کامیابی حاصل ہوئی دولت آباد کھیڑوا' ناسک' اسیر گڑھ اور احمد نگر جیسے مضبوط شہروں نے عرصۂ دراز کے محاصروں کے بعد دروازے کھول دیئے اور اکبر کی اطاعت منظور کر لی۔ اگرچہ نواح احمد نگر کا ملک 1637ء تک پورا پورا مطیع نہ ہوا۔ لیکن اکبر نے وہاں اپنے پاؤں ایسے جمائے کہ اسی کا پایہ غالب رہا اور کم از کم ایک صدی تک وہاں مغلوں کا ایسا ہی حال رہا۔

جنوبی ہندوستان کی مہم تین باتوں کے سبب مشہور ہے ایک تو ان سپہ سالاروں کی نا اتفاقی سے جو ہندوستان کے مختلف صوبوں سے اس فتح میں ایک دوسرے سے الگ الگ کام کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے اس نا اتفاقی نے یہاں تک مجبور کیا کہ پہلے تو بادشاہ کے بڑے معتبر افسر شیخ ابوالفضل کو وہاں بھیجا گیا پھر خود بدولت کو وہاں جانا پڑا۔ دوسرے شہزادہ مراد بخت شراب خوری کے باعث جالنا کے مقام پر فوت ہو گیا تیسرے ابوالفضل جب آگرے کی طرف سے واپس آ رہا تھا تو شہزادہ سلیم نے جو اکبر کا سب سے بڑا بیٹا اور ولی عہد تھا اس کو مروا ڈالا۔

چودہ سال تک اکبر نے اپنا صدر مقام لاہور ہی میں رکھا مگر 1598ء میں جنوبی ہندوستان کی نازک حالت نے اس کو وہاں جانے پر مجبور کر دیا وہاں احمد نگر اور اسیر گڑھ کو مجبوراً اطاعت اختیار کرنی پڑی اس سے فارغ ہو کر اکبر نے شہزادہ دانیال کو تو خاندیس اور برار کا حاکم مقرر کیا اور ابوالفضل کو احمد نگر کے نواح کا ملک فتح کرنے کے لئے چھوڑا۔ اور آپ 1601ء کے موسم بہار میں آگرے کی طرف روانہ ہو گیا۔

اب کی دفعہ بڑے دردناک واقعات کی وجہ سے اکبر کو آگرے آنا پڑا اس کو شہزادہ سلیم کے اوائل عمر ہی سے برے لچھن نظر آ رہے تھے اور گو اب یہ شہزادہ جوان ہو گیا تھا مگر بادشاہ کا فکر اس کی طرف سے کم نہ ہوا تھا سلیم جو بعد ازاں جہانگیر کے لقب سے

بادشاہ ہند ہوا اس کا مزاج قدرتاً بے رحم تھا۔ اور وہ اپنی خواہشات نفسانی کو ذرا بھی نہ روک سکتا تھا یہ اصل میں تو ابوالفضل سے اس لئے نفرت کرتا تھا کہ اکبر اس کی بہت مانتا تھا مگر ظاہر یہ کرتا تھا کہ چونکہ اسی کے طفیل اکبر بادشاہ نے اسلام کے حدود شرعی سے تجاوز کیا ہے میں اس لئے اس کا مخالف ہوں۔ اکبر کو یہ امید تھی کہ ابوالفضل کو جنوبی ہندوستان کی طرف بھیج دینے سے ولی عہد کا غصہ کسی قدر کم ہو جائے گا اور جب اس نے خود وہاں جانے کا ارادہ کیا تو سلیم کو اپنا جانشین مقرر کر دیا اور نائب السلطنت اجمیر کا خطاب دے کر رانا میواڑ کی جنگ کا خاتمہ کرنا بھی اسی کے سپرد کیا۔ جو از سرِ نو شروع ہو گئی تھی مشہور و معروف راجہ مان سنگھ کو جو شہزادہ سلیم کی سسرال میں سے تھا اس کی مدد کو روانہ کر کے بادشاہ نے اس کی دلجوئی کر دی تھی۔

یہ دونوں سردار میواڑ کی طرف جا رہے تھے کہ ان کو خبر لگی کہ صوبۂ بنگال میں جس کا نائب السلطنت مان سنگھ تھا۔ بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی ہے اس لئے مان سنگھ کو اس کے فرو کرنے کے لئے اسی وقت مجبوراً واپس جانا پڑا جب شہزادہ سلیم کے پاس کوئی صلاح کار نہ رہا اور بہت سی فوج اپنی ماتحت نظر آئی اور بادشاہ بھی دکن گیا ہوا تھا تو میدان خالی پا کر اس نے یہ ارادہ کیا کہ باپ کی غیر حاضری میں تاج کے لئے دو ہاتھ کرے اس لئے میواڑ کی مہم کو چھوڑ کر اپنی فوج سمیت فوراً آگرے پہنچا مگر یہاں شاہی قلعہ دار نے جو اپنے آقا کا نمک حلال ملازم تھا قلعے کے دروازے بند کر لئے یہ دیکھ کر وہ الہ آباد پہنچا۔ اور وہاں کے قلعے پر قبضہ کر کے اودھ اور بہار کے صوبوں پر اپنا تسلط جما لیا۔ اور لقب شاہی اختیار کر لیا۔

یہ خبریں سن کر اکبر کو دکن سے واپس آنا پڑا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ سلیم اپنی طبیعت سے لاچار ہے کبھی اس کی طبیعت قابو میں نہیں رہتی اور یہ حرکت بھی تند مزاجی کی وجہ سے وہ کر بیٹھا ہے اس لئے اکبر نے یہ ارادہ کیا کہ اس کو دبانے کی نسبت ہدایت کرنی مناسب ہے چنانچہ اس کے نام ایک مراسلہ لکھا اور اس میں یہ یقین دلایا کہ اگر تم تابعداری اختیار کرو گے تو میری محبت میں ذرا بھی فرق نہ آئے گا اور ساتھ ہی

فرمانبرداری کے نتائج سے بھی مطلع کردیا سلیم کو یہ مراسلہ اس وقت پہنچا جب اکبر آگرے کی طرف آرہا تھا اس کے ساتھ فوج تھوڑی سی تو تھی لیکن ساری سلطنت کا خلاصہ اور ایک سے ایک بڑھ کر سورما اس میں تھا سلیم نے یہ دیکھ کر کہ میری حالت قابل اطمینان نہیں اگر ضد پر قائم رہا تو شاید ہمیشہ کے لئے تخت نشینی سے محروم کردیا جاؤں شاہی مراسلے کے جواب میں نہایت عاجزانہ عریضہ لکھا مگر جو تیرہ اس نے اختیار کیا وہ اس کی تحریر کے برعکس تھا۔ کیونکہ وہ تھوڑے ہی دن بعد یہ سن کر شاہی فوج کا بڑا حصہ ابھی دکن میں ہی ہے اٹاوے کی طرف روانہ ہوا اور راستے میں اس ارادے سے فوج بھرتی کرتا گیا کہ فوج کثیر لے کر باپ کے پاس جائے لیکن اکبر اس کے دھوکے میں نہ آیا اس نے اپنے بیٹے کو کہلا بھیجا کہ ان دو باتوں میں سے کوئی ایک اختیار کرلو یا تو چند آدمیوں کے ساتھ آگرے چلے جاؤ یا الہ آباد واپس چلے جاؤ۔

شہزادے نے الہ آباد ہی واپس جانا پسند کیا بعض کا خیال ہے کہ اس سے بنگالے اور اڑیسہ کی حکومت کا وعدہ کیا گیا تھا اس واسطے یہ الہ آباد واپس چلا گیا قصہ کوتاہ خواہ کسی طرح کیوں نہ ہوا ان صوبجات کی حکومت اس کو عطا ہوگئی اکبر سے جو خلاف عادت اس وقت یہ تھوڑی سی کم ہمتی ظہور میں آئی ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ اس باعث سے تھی کہ اس نے اپنی کمزور حالت کی طرف خیال کیا یا وہ اپنے لڑکے کے ساتھ لڑنے کو معیوب سمجھا یا بیٹے کی محبت دل میں جوش زن ہوئی غالباً یہ تینوں خیالات ہی اس کا باعث ہوئے آخر کار تھوڑے ہی دنوں میں اس کو معلوم ہوگیا کہ گو اس نے اپنے باغی لڑکے کے ساتھ بہت رعایتیں کیں مگر اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ شہزادے کی عادت تھی کہ وہ کبھی انتقام لینے سے سیر ہی نہیں ہوتا تھا اور بات کو اپنے دل میں رکھتا تھا اس نے جو یہ سنا کہ ابوالفضل دکن سے واپس آرہا ہے اور اس کے ساتھ تھوڑے ہی سے آدمی ہیں ارچھے کے رجہ کو یہ کہلا بھیجا کہ اس کو راستے میں قتل کروادے۔

اس رفیق کے قتل ہونے سے اکبر کے دل پر بڑا صدمہ ہوا خیر یہ ہوئی کہ اس کے کان تک یہ خبر نہ پہنچی کہ یہ سارے کرتوت اس کے بیٹے ہی کے ہیں چنانچہ اس

نے صرف ارچھے کے راجہ ہی کو اس کا مجرم خیال کر کے ایک فوج اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ خطاوار راجہ جنگل کی طرف بھاگ گیا اور جب تک اکبر زندہ رہا تھ نہ آیا اس کے مرنے کے بعد آوارہ گردی سے رہائی پائی سلیم کے ساتھ اکبر کی صلح ہوگئی اور ایک دفعہ پھر بادشاہ نے اپنے سب سے بڑے بیٹے کو میواڑ کا فساد رفع کرنے کے لئے روانہ کیا ان فسادوں کی وجہ یہ تھی کہ رانا پرتاب سنگھ اکبر کی اطاعت سے برابر انکار کئے جاتا تھا 1576ء میں وہ ہلدی گھاٹ پر شکست کھا کر جنگل کی طرف بھاگ گیا اور شاہی فوج اس کا تعاقب کرتی رہی شامتِ اعمال سے اس کو شکست پر شکست ہوتی رہی ایک بھی فتح نصیب نہ ہوئی اس لئے اس نے یہ ارادہ کیا کہ اپنے کنبے اور رفیقوں سمیت میواڑ سے جلاوطنی اختیار کرے اور دریائے سندھ کے کنارے پر ایک اور ریاست قائم کرے چنانچہ وہ اس ارادے سے روانہ ہو چکا تھا کہ اس کے وزیر نے بے نظیر وفاداری سے اس کو خرچ کے واسطے روپیہ دیا کہ مقابلہ کجاری رکھے جس سے راجہ نے ایک دفعہ اور جنگ کرنے کا ارادہ کیا اس کے مخالف پے درپے فتوحات حاصل کرنے سے بے پرواہو گئے تھے راجہ ان کی طرف پھرا۔ اور ان کی فوج کے پچھلے دستے کو شکست دی 1586ء میں چتوڑ اور منڈل گڑھ کے سوا کل میواڑ اس نے پھر لے لیا چونکہ اس کا قدیم دارالخلافہ چتوڑ اس کے قبضے میں نہ تھا اس لئے اس نے پہاڑوں میں اُودے پور کے نام سے ایک نیا دارالخلافہ بنایا جس کی وجہ سے ریاست کا بھی یہی نام ہو گیا جب 1597ء میں وہ مرا تو اس وقت بھی وہ مغلیہ فوج کا مقابلہ کر رہا تھا اس کے بعد اس کا بیٹا امر رانا گدی نشین ہوا جو اس وقت 1603ء میں شہزادہ سلیم کے لئے یہ بڑا عمدہ موقع تھا۔ جو فوج اس کے ماتحت تھی وہ اس قدر تھی کہ اگر عالی ہمتی کے ساتھ اس سے کام لیتا تو میواڑ ضرور فتح ہو جاتا لیکن اس طرف سے اس نے ایسی کم توجہی کی کہ اکبر نے اسے واپس بلا کر اسے الہ آباد کے نیم خود مختار علاقے میں بھیج دیا یہاں آکر وہ اپنا سارا وقت زناکاری اور اس سے بھی بدتر کاموں جن میں سے اس کو دلی لگاؤ تھا

صرف کرنے لگا۔ فرض منصبی اور عزت کا اسے بالکل خیال نہ تھا اپنے وفادار ملازموں کے مارے جانے کی بھی اسے کچھ پروانہ تھی اس میں یہ دونوں عیب اس قدر بڑھ گئے کہ خود اکبر کو الہ آباد جانا پڑا اس کو یہ امید تھی کہ شاید میرے جانے سے اس کی حالت کچھ سنور جائے ابھی دو ہی پڑاؤ گیا تھا کہ یہ خبر پہنچی کہ والدہ صاحبہ سخت بیمار ہیں لاچار واپس جانا پڑا۔ لیکن صرف اتنی ہی بات نے کہ بادشاہ خود اس مدعا کے پورا کرنے کے لئے آگرے سے روانہ ہوا شہزادہ سلیم کے خیال اور اعمال میں بہت کچھ تبدیل کر دی جب باپ اس کے پاس نہ جا سکا تو اس نے چند آدمی ساتھ لے کر خود باپ کے دربار میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ یہاں آ کر اس نے اطاعت تو کی مگر عادتیں درست نہ کیں اور جو تنازعات اس کے اور اس کے سب سے بڑے بیٹے شہزادہ خسرو کے درمیان ہو رہے تھے ان کا چرچا دربار میں ہر وقت ہونے لگا۔

غرض بادشاہ اولاد کی طرف سے سکھی نہ تھا اس کے پہلوٹھی کے دو بیٹے جو توام تھے شیر خوار ہی مر گئے تھے شہزادہ سلیم جس کو غلطی سے پہلوٹھی کا بیٹا کہتے ہیں حقیقت میں تیسرا بیٹا تھا چوتھے بیٹے شہزادہ مراد کا جو حال ہوا وہ سن ہی چکے ہیں پانچواں بیٹا شہزادہ دانیال دراز قد طاقتور اور خوبصورت تھا۔ اسے گھوڑوں اور ہاتھیوں کا بڑا شوق تھا اور ہندوستانی زبان میں شعر گوئی کی اچھی مہارت تھی مگر یہ بھی شراب خوری کی بلا میں مبتلا ہو کر اسی بھینٹ چڑھا۔ اور یہ دونوں موتیں تقریباً ایک ہی وقت وقوع میں آئیں اکبر نے جہاں تک ہو سکا دانیال کو بے اعتدالیوں سے باز رکھنے کی کوشش کی اور اس نے بھی ان حرکات کے ترک کر دینے کا اقرار کر لیا تھا اس لئے اکبر کو اس کے فوت ہو جانے سے سخت صدمہ پہنچا۔ دربار میں بادشاہ کے پوتے تو بہت تھے مگر ان میں سے شہزادہ خرم کے ساتھ اکبر کو بڑی محبت تھی جو جہانگیر کے بعد شاہجہاں کا لقب اختیار کر کے تخت نشین ہوا۔

شہزادہ دانیال کے انتقال سے اور خصوصاً اس امر سے جو اس کے مرنے کا باعث ہوا شہنشاہ کو بڑا رنج ہوا جب اکبر بیمار تھا اور اس کی طرف سے بالکل مایوسی ہو گئی تو امرائے شاہی میں یہ چرچا ہونے لگا کہ اکبر کے بعد تخت پر کون بیٹھے کیونکہ بادشاہ کا

اس نے شہزادہ سلیم کو خفیہ طور پر لکھ بھیجا کہ میں تمہاری مدد کروں گا گو اس نازک وقت میں مان سنگھ کا اقتدار سب سے زیادہ تھا مگر یہ دیکھ کر اوروں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہے وہ بھی سلیم کی خوشامدوں سے نرم ہو گیا اور اس نے بھی اس کی تائید کرنے کا اقرار کیا جب شہزادہ سلیم کو اپنی تخت نشینی میں کچھ شک نہ رہا تو وہ محل میں چلا گیا وہاں اکبر حالت نزع میں پڑا ہوا تھا مگر اس کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آیا اس ملاقات کے حالات شہزادہ نے قلمبند کیے ہیں اور صرف اس کی تحریر کے ذریعے سے معلوم ہوئے ہیں۔

جب باپ بیٹے میں باہم محبت کی باتیں ہو چکیں۔ تو اکبر نے حکم دیا کہ تمام امرا جمع ہوں اور اس نے کہا کہ "میں اس بات کی برداشت نہیں کر سکتا کہ تم میں اور ان میں جو اتنے برس تک مشکلات سلطنت میں شریک اور میرے اقبال کے ساتھی رہے ہیں کسی طرح کی بھی رنجش رہے" جب امرا آئے اور آداب بجا لا چکے تو اس نے سب کی طرف مخاطب ہو کر چند الفاظ کہے اور پھر ایک ایک کی طرف باری باری سے نگاہ کر کے التجا کی کہ اگر مجھ سے کچھ قصور ہو گیا ہو تو معاف کرنا شہزادہ سلیم روتا ہوا باپ کے قدموں پر گر پڑا۔ لیکن اکبر نے اپنے ملازموں کو اشارہ کیا کہ اس کی کمر میں میری تلوار باندھ دو۔ اور شاہی دستار سر پر رکھ کر لباس شاہی پہنا دو پھر اس نے کہا کہ "بیگمات کی خبر گیری کرنا' میرے قدیمی دوستوں اور رفیقوں کے ساتھ مہربانی اور دلجوئی سے پیش آنا" پھر اپنا سر جھکایا اور دنیا سے رخصت ہوا۔

غرض سلطنتِ مغلیہ کا اصلی بانی اس طرح امن و امان کے ساتھ اس جہان سے روانہ ہوا۔ یہ اپنے باپ اور دادا سے زیادہ خوش نصیب دور اندیش اور طبع زاد باتیں نکالنے والا تھا یہ بھی کہنا چاہئے کہ اس کو ان سے بڑھ کر مواقع بھی ملے تھے اس کی عمر اس قدر دراز ہوئی کہ ہندوستان کی مختلف اقوام کو یہ پورا پورا یقین ہو گیا کہ ان کا امن ان کی عملی طور پر خود مختاری ان کا مذہب اور قدیمی رسوم کی پابندی کا سارا دارومدار اس بات پر ہے کہ وہ اس کی اعلیٰ حکومت کے آگے سر جھکائیں جس کے طفیل یہ بیش بہا برکتیں انہیں مل سکتی تھیں ان کی رائے میں اکبر تمام قسم کے تعصبات سے مبرا تھا۔ خواہ

ازبک ہو خواہ افغان' خواہ ہندو ہو خواہ مسلمان' خواہ پارسی ہو خواہ عیسائی' بشرطیکہ وفادار' عقلمند اور بات کا پکا ہو۔ سب کے لئے مناسب اعلیٰ عہدے حاصل کرنے کا دروازہ یکساں کھلا ہوا تھا۔

ان اقوام نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ اس کے انچاس برس کے عہد حکومت میں ہندوستان پر کوئی بیرونی حملہ نہیں ہوا بلکہ جتنے ملک کے اندر مخالف تھے ان سب کو بھی اکبر نے مطیع کر لیا کسی کو تلوار کے زور سے کسی کو صلح سے مگر حقیقت میں وہ صلح جو شخص تھا۔ محمد امین نے لکھا ہے کہ "اس کے مرنے کے بعد ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک سارے ملک میں نہایت مضبوط سلطنت قائم تھی جس میں راستبازی کا بڑا دور دورہ تھا ہر ایک قسم اور رتبے کے آدمی اس کے دربار میں آتے تھے اور چونکہ تمام اقوام میں صلح تھی ہر ایک مذہب کے آدمی اس کے ظلِ حمایت میں امن سے رہتے تھے"

یہاں تک تو یہ بیان ہوتا رہا ہے کہ اکبر کیسا بادشاہ تھا اگلے باب میں ہم یہ بیان کریں گے کہ اکبر کیسا آدمی تھا۔ 15 اکتوبر 1605ء کو ایک دن اوپر تریسٹھ سال کی عمر میں یہ راہی ملک بقا ہوا۔

بارہواں باب

اکبر کے اصول اور اس کا ملکی انتظام

آئینِ اکبری کا مصنف لکھتا ہے کہ ''حکومت کی تینوں شاخوں کی بہبودی اور رعایا کی آرزوؤں کا بر آنا خواہ وہ آرزوئیں بڑی ہوں یا چھوٹی اس بات پر منحصر ہے کہ بادشاہ اپنے وقت کو کس طرح صرف کرتا ہے۔''

اگر ہم اس معیار پر اکبر کا امتحان کریں تو منطقی طریق سے صاف یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خواہ بادشاہ ہونے کی حیثیت سے خواہ ایک عام انسان ہونے کی حیثیت سے جو جو کامیابیاں اس کو نصیب ہوئیں ان کا سبب کیا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بادشاہ ہر ایک بات میں صرف قاعدے ہی کو نہیں برتتا تھا۔ بلکہ اس کے ہر ایک قاعدے میں اس بات کی خواہش پوشیدہ ہوتی تھی کہ کوئی ایسی تجویز نکلے یا کوئی ایسا عملدر آمد ہو جو جائز بھی ہو اور اس کی زندگی کے بڑے مدعا کو پورا کرنے میں مدد بھی دے وہ مدعا کیا تھا؟ ایک ایسی حکومت کی عمارت کا قائم کرنا جس کی بنیادیں لوگوں کے دلوں میں ہوں۔ اور جو اس کے مرنے کے بعد بھی قائم رہ سکے۔

ان وسائل کا مفصل ذکر کرنے سے پیشتر جو اکبر نے اپنے خیال میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے سوچے تھے میں چند الفاظ اس امر میں کہنا چاہتا ہوں جن پر ان ساری باتوں کی بنا ہے یعنی اس کے دل کی ساخت کیسی تھی اور اس پر ان باتوں کا اثر کیسا ہوتا تھا جو انسان کی روحانی حالت سے تعلق رکھتی ہیں اور اس سے زیادہ فائدہ مند کوئی اور تحقیق بھی نہیں کیونکہ ایسے خیالات کو بلا تعصب قبول کر لینا جن کو اس کے ہم مذہب بہت برا سمجھتے تھے اور پھر بے رو و رعایت ان پر رائے لگانی بالکل اس کے دل

کی ساخت اور قوت ہی کا کام تھا اور یہ بھی اکبر کے خیالات کا ہی نتیجہ تھا کہ گو وہ مسلمان تھا اور اس کے ہم قوم لوگوں کی تعداد ہندوستان کی کل آبادی کے لحاظ سے آٹے میں نمک بھی نہ تھی مگر پھر بھی اس کے ساتھ مفتوح قوم کی ہمدردی اور ان کا اس پر اعتبار اس قدر تھا کہ یہ بادشاہ ان کے قدیمی تعصبات پر اس درجے تک غالب آیا کہ جس کی ان کو کبھی امید بھی نہ ہو سکتی تھی اور مفتوح قوم بھی وہ جس کی تقدیر میں متعصب مسلمانوں کی رائے میں ہمیشہ کی تباہی لکھی تھی اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ زمانہ ایک ایسی آزادانہ پالیسی کی ترقی کے لیے موزوں نہ تھا۔

مسلمان لوگ صرف فاتح ہی نہ تھے بلکہ ایسے فاتح تھے کہ جنہوں نے اپنا مذہب تلوار کے زور سے پھیلایا تھا بداؤنی اس زمانے کا مورخ ہوا ہے اس کی تصنیفات کے ہر ایک صفحے سے ظاہر ہے کہ متعصب مسلمان ہندو دھرم اور اس کے پیروؤں کو کس قدر نفرت اور حقارت سے دیکھتے تھے صرف ہندو مذہب تک یہ حقارت محدود نہ تھی بلکہ ہر ایک مذہب اور ہر ایک مسئلہ سوائے اس کے جسے اہل اسلام مانتے ہیں اسی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

اکبر اسی مذہب میں پیدا ہوا تھا لیکن اس کا دل تلاش اور تفتیش کی طرف راغب تھا اور وہ کسی بات کو بھی بغیر دلیل کے نہیں مانتا تھا ایام تربیت میں اس کو ہندو راجاؤں کی صفات حمیدہ اور وفاداری و جاں نثاری اور شریفانہ خیالات کے دیکھنے کے بہت سے مواقع ملے تھے حالانکہ اس کے درباری محض اسی وجہ سے کہ یہ ہندو دھرم کے پیرو ہیں ان کو سزائے ابدی کے لئے مخصوص سمجھتے تھے۔ اکبر نے یہ بھی سمجھ لیا تھا کہ ہندو اور اُن کے ہم خیال ہی رعایا کا بڑا حصہ ہیں اور ان میں سے اکثر کی نسبت جو نہایت قابل اعتبار تھے اس کی یہ بھی رائے تھی کہ باوجود یہ کہ دین اسلام قبول کرنے سے ان کا بہت کچھ دنیاوی فائدہ ہو سکتا ہے مگر وہ اپنے دھرم کے پکے پابند ہیں اس لئے اکبر نے اپنے دل میں خوض کر کے اول روز سے یہ نتیجہ نکال لیا تھا کہ محض اس خیال سے کہ میں اس ملک کا بادشاہ اور پیدائشی مسلمان ہوں۔ میرا یہ سمجھنا کہ دین اسلام ہی کل نسل انسان کے لئے درست ہے قابل پذیرائی نہیں رفتہ رفتہ اس کے یہ خیالات اس کی زبان پر

آنے لگے اور وہ کہنے لگا کہ "جب میں خود اوروں کی ہدایت کا محتاج ہوں تو میرا کیا حق ہے کہ میں کسی کو ہدایت کروں" وہ جوں جوں اور مذہبوں کی تعلیم سنتا گیا اس کے شکوک یقین سے مبدل ہوتے گئے اور روزمرہ ہر ایک مذہب کے فرقوں کی تنگ خیالی کو دیکھ کر وہ دن بدن اس اصول کی طرف آتا گیا کہ تمام مذہبوں کو آزادی حاصل ہونی چاہیے۔

یہ تبدیلی ایک دن میں نہیں ہوگئی تھی بلکہ آہستہ آہستہ عرصہ دراز میں جا کر ہوئی تھی مورخ بداؤنی بڑا پکا مسلمان تھا اس کی رائے میں اکبر نے جو یہ غلطیاں کیں۔ ان پر وہ بڑا افسوس کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ "بچپن سے لے کر جوانی تک اور جوانی سے لے کر بڑھاپے تک اس بادشاہ کے خیالات رنگا رنگ کی پلٹیاں کھاتے رہے تمام قسم کی مذہبی ریاضتوں اور مختلف فرقوں کے اعتقادوں نے باری باری سے اس کے دل پر اثر کیا اور جو کچھ مذہبی کتابوں میں مل سکا وہ بادشاہ نے جمع کر کے بڑی لیاقت سے اس کا انتخاب کیا مگر طرز تحقیقات ہر ایک اسلامی اصول کے برخلاف رہی آخر بادشاہ کے دل کے آئینے پر ایک ایسے مذہب کا نقشہ جم گیا جو چند ابتدائی اصول پر مبنی تھا اور ان تمام باتوں کا اثر رفتہ رفتہ اس کے دل پر کالنقش فی الحجر ہو گیا کہ تمام مذہبوں اور قوموں میں صاحب باطن اور زاہد اور ایسے آدمی ہیں۔ کہ جن کو کرامات دکھانے کی طاقت ہے اگر ہر ایک مذہب میں کچھ نہ کچھ صداقت پائی جاتی ہے تو پھر ایک مذہب ہی میں سچائی کیوں محدود رہے خصوصاً مذہب اسلام ہی میں جو نیا ہے اور ابھی ہمار برس کا بھی نہیں ہوا ایک مذہب کچھ کہتا ہے تو دوسرا اس کے برخلاف کیوں کہے اور جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ ایک مذہب دوسرے کی نسبت افضل ہے اس وقت تک ایسا دعویٰ ہی کیوں کیا جائے۔

بداؤنی لکھتا ہے کہ اکبر برہمنوں اور سمانیوں کے ساتھ بہت ہم کلام رہتا تھا۔ اور ان کی صحبت کے اثر سے تناسخ کا مسئلہ اس نے قبول کر لیا تھا اس میں شک نہیں کہ فیضی اور ابوالفضل دونوں بھائیوں نے جو دین اسلام میں پیدا ہوئے اور اسی مذہب کے تعلیم یافتہ تھے تحقیق مذہب کے بارے میں اکبر کے خیالات بہت کچھ بدل دیئے یہ دونوں بھائی بڑے لائق تھے اور اکبر کی طبیعت پر بڑے حاوی ہو گئے تھے یہاں انکا کچھ ذکر کرنا

ضروری ہے ان کا باپ شیخ مبارک عربوں کی نسل میں سے تھا اس کے بزرگ نگر میں جو راجپوتانے میں ہے آ کر آباد ہوئے تھے شیخ مبارک نے کتب دین اسلام کا اس قدر مطالعہ کیا تھا کہ اس مذہب کے ہر ایک پہلو سے پوری پوری واقفیت رکھتا تھا جب تک بات کی تہ کو نہ پہنچ جاتا تھا اس کا پیچھا نہ چھوڑتا تھا اور اس کے خیالات بڑے وسیع تھے جوں جوں اس کا علم بڑھتا گیا اس کے خیالات ترقی کرتے گئے اس کے لڑکوں کی طبیعت کا میلان بچپن ہی سے علم کی طرف تھا اور جو بات ایک دفعہ سن لیتے تھے اسے کبھی نہ بھولتے تھے ان کو شیخ مبارک نے ایسی تعلیم دی تھی کہ جہاں وہ جاتے تھے محفل کا سنگار ہوتے تھے شیخ مبارک 1574ء میں آگرے کے نزدیک آبسا تھا اس کا بڑا لڑکا فیضی یہیں پیدا ہوا تھا یہ اکبر سے عمر میں پانچ برس چھوٹا تھا جب اکبر صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ کو دوبارہ فتح کر چکا تو اس وقت شیخ فیضی کی عمر تقریباً 20 برس کی تھی اور سیدھے سادے طریق پر اس نے درس تدریس اور طبابت کرنی شروع کی شاعری میں اس نے بہت جلد نام پایا اس کی جبلی فیاضی کو جب طبابت کی آمدنی کا سہارا ملا تو بہت سے خیرات کے کام اس نے کئے اور غربا کا علاج ہمیشہ مفت کیا کرتا تھا۔

مذہبی معاملات میں اس نے اپنے باپ کی پیروی کی اور شیعہ مذہب کی طرف کہ ان دنوں اس کا رواج بہت کم تھا اپنی رغبت ظاہر کی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اس نے صدر[2] عدالت کو تھوڑی سی زمین کے لئے عرضی دی چونکہ وہ سنی تھا۔ اس نے صرف اس کی عرضی ہی نامنظور نہیں کی بلکہ شیعہ ہونے کی وجہ سے اس کو بے عزت کر کے عدالت سے نکلوا دیا اس وقت اکبر چتوڑ کا محاصرہ کئے پڑا تھا فیضی کا شہرہ اس کے کان تک پہنچ چکا تھا اس نے وہیں اس کو اپنے لشکر میں بلوایا فیضی کے دشمن بہت تھے اور سنی مسلمان خصوصاً اس کے مخالف تھے اس حکم سے انہوں نے یہ سمجھا کہ شاید اس پر مذہبی مقدمہ ہوگا اس لئے انہوں نے آگرے کے حاکم کو اس بات سے متنبہ کر دیا کہ دیکھنا فیضی بھاگ نہ جائے حالانکہ اس کو بھاگنے کا مطلق خیال بھی نہ تھا غرض فیضی کو گرفتار کر لیا اور اسی حالت میں اکبر کے

1- ملک سندھ میں ایک فرقہ تھا جو مسئلہ تناسخ کو مانتا تھا۔

2- یہ افسر بہ عایت ہونے کے باعث فرائض کی تحقیقات کے لئے مقرر کیا جاتا تھا۔

لشکر میں پہنچایا۔ اس قدر شناس بادشاہ نے اس کی بڑی عزت کی اور اس کی قسم قسم کی لیاقت پر فریفتہ ہو کر اس کو اپنے دربار میں رکھ لیا اور اپنے لڑکوں کی اعلیٰ درجے کے علوم کی تدریس اسکے سپرد کی۔ کبھی کبھی فیضی سے سفارت کا کام بھی لیا جاتا تھا۔

فیضی کو فرصت بہت تھی اپنا سارا وقت یہ شاعری میں صرف کرتا تھا جب اس کی عمر 33 سال کی ہوئی تو وہ ملک الشعرا کے خطاب سے سرفراز کیا گیا اس کے سات سال بعد فیضی مر گیا اکبر اس کے ساتھ بیٹھ کر بڑا خوش ہوتا تھا اور اس کے ساتھ گفتگو کر کے نہایت لطف اُٹھاتا تھا اس کے مرتے دم تک بادشاہ کی مہربانی بدستور اس پر ویسی ہی رہی کہتے ہیں کہ اس نے ایک سو ایک کتابیں تصنیف کیں اس کے قابل تعریف کتب خانے میں چار ہزار تین سو چیدہ قلمی کتابیں تھیں یہ سب کی سب شاہی کتب خانے میں داخل کی گئیں۔

شیخ فیضی پر تو اکبر کی مہربانی تھی ہی لیکن اس کے بھائی شیخ ابوالفضل مصنف آئین اکبری پر اس سے بھی بڑھ کر نظر عنایت ہوگئی ابوالفضل آگرے کے نزدیک 14 جنوری 1551ء کو پیدا ہوا تھا اس نے بھی اپنے بھائی کی طرح اپنے باپ کے بحرِ ذخار علم وفضل سے نہایت فائدہ حاصل کیا یہ اس بات کو دیکھتا تھا اور اپنے دل ہی دل میں جلتا تھا کہ اس کے باپ کو صرف اس لئے برادری سے علیحدہ کر دیا گیا ہے کہ اس کے آزادانہ خیالات بہت بڑھ گئے ہیں بلکہ علیحدگی کے علاوہ اور انواع واقسام کی تکلیفیں اس کو پہنچائی جاتی ہیں اس کا یہ اثر ہوا کہ اس لڑکے کے دل میں یہ رائے قائم ہوگئی کہ ہر ایک اعتقاد کے لوگوں کو کامل آزادی ملنی چاہئے اور تنگ حالی کے سبب اس کو تحصیل علم میں سخت محنت کرنی پڑی چنانچہ چند برس کی عمر میں یہ علم منقول ومعقول کی تمام کتابیں پڑھ چکا تھا اور 20 برس کا نہ ہوا تھا کہ اس نے پڑھانے کا کام شروع کر دیا۔

پروفیسر بلاک مین صاحب مرحوم نے لکھا ہے کہ اس بات کے ظاہر کرنے کے لئے کہ ابوالفضل کا علم اس عمر میں بھی کس قدر وسیع تھا ایک روایت یوں بیان کرتے ہیں کہ اصفہانی کی کتابت بہت کمیاب ہے اس کا ایک قلمی نسخہ ابوالفضل کے ہاتھ آ گیا۔ مگر افسوس کہ اس کے ہر ایک صفحے کا آدھا حصہ اوپر سے لے کر نیچے تک یا تو پڑھا نہیں جاتا تھا

یا جلا ہوا تھا ابوالفضل نے ایسی نادر کتاب کے کامل کرنے کے لئے جلے ورق سب کتر ڈالے۔ اوران کی بجائے نیا کاغذ لگا کر ہر ایک سطر کے گمشدہ نصف حصے کو از سرِ نو لکھنا شروع کیا اور کئی کئی دفعہ بڑے غور سے مطالعہ کر کے اس نے وہ ساری سطریں لکھ ڈالیں اور کتاب مکمل کر لی کچھ عرصے کے بعد اس کتاب کا ایک کامل نسخہ مل گیا مقابلہ کرنے سے معلوم ہوا۔ کہ گو بعض جگہ الفاظ مختلف ہیں اور چند موقعوں پر نئے دلائل لکھ دیئے گئے ہیں مگر بحیثیت مجموعی یہ نیا حصہ اصلی کتاب کے ساتھ بہت کچھ ملتا جلتا تھا یہ دیکھ کر ابوالفضل کے دوست بہت حیران ہوئے کہ کس طرح اس نے ایک ایسے جلیل القدر مصنف کے طرز بیان اور خیالات سے اپنا بیان اور خیالات ملا دیئے اور کیونکر اتنا کمال حاصل کرلیا"۔

ابوالفضل کی طبیعت میں مطالعۂ کتب کا بڑا شوق تھا گو اکبر نے اس کو دربار میں بلایا مگر اس نے مطالعۂ کتب کے چھٹ جانے کے سبب کچھ عرصے تک اس خدمت کو پسند نہ کیا۔ اکبر ابوالفضل کے ساتھ گہرا اتحاد پیدا کرنا چاہتا تھا اس کے بڑے بھائی فیضی کی تو بادشاہ کے ساتھ رفاقت ہو ہی گئی تھی اور جس طرح یہ ہوئی تھی اس کا بیان ہم کر چکے ہیں اسی کے ذریعے سے ابوالفضل کے ساتھ اتحاد پیدا کرنے کا راستہ صاف ہو گیا اور جب 1574ء کے شروع میں ابوالفضل بادشاہ کے حضور میں پیش ہوا اور اس کی نسبت یہ بیان ہوا کہ یہ فیضی کا بھائی ہے تو اکبر نے اس کی ایسی قدرومنزلت کی کہ اس کے دل میں بھی خیال آیا کہ گوشہ نشینی میں استغنا کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا جو ارادہ میں نے کرلیا ہے اس کی نسبت پھر غور کرنا چاہیے اس وقت اس کی عمر 23 سال کی تھی لیکن جتنا علم اس ملک میں حاصل ہو سکتا تھا وہ تحصیل کر چکا تھا خود ابوالفضل نے اپنا حال اس طرح بیان کیا ہے کہ "میری روح کو بالکل چین نہ تھا اور میرا دل منگولیا کے عابدوں یا کوہ لبنان کے زاہدوں کی طرف کھنچا جاتا تھا ملک تبت کے لامہ یا پرتگال کے پادریوں کے ساتھ ملاقات کرنے کی بڑی خواہش تھی اور میں چاہتا تھا کہ پارسیوں کے دستور اور ژند وستا کے علما کے ساتھ رہوں اپنے وطن کے علما سے میں بیزار ہو گیا تھا"۔

اس وقت سے اس کا تعلق دربار شاہی سے ہو گیا اور اس میں اور اکبر میں ایسا خالص

اتحاد پیدا ہو گیا جیسا کہ ایک کو دوسرے کی قدر اور ہمدردی سے ہوا کرتا ہے اور جس سے زندگی کو راحت پہنچتی ہے بادشاہ تو ابوالفضل کا بالکل مرید ہی ہو گیا خواہ شکار کی دھوم دھام میں مصروف ہو خواہ حکومت کی دردسری اور تردد میں مشغول ہو خواہ جنگ و جدل سے تھکا ہوا ہو اکبر کو جو خوشی اپنے معزز دوست ابوالفضل اور متعصب مسلمان قاضیوں اور مجتہدوں کے مباحثے سننے سے ہوتی تھی اور کسی بات سے نہیں ہوتی تھی یہ مباحثے اس کے عہد کا ایک بڑا واقعہ ہیں کیونکہ یہ بحث کرنے والے ابوالفضل کو لاجواب کرنے کی کوشش تو بہت کرتے تھے مگر انہیں کچھ کامیابی نہ ہوتی تھی ان کا کسی قدر مفصل حال سنے بغیر یہ سمجھ لینا کہ اکبر کس طبیعت کا آدمی تھا ناممکن ہے مذہبی آزادی اور سب کے لئے حکومت کا یکساں ہونا جن اصول پر مبنی ہے ان اصول کا رائج ہونا تاریخ ہند کا ایک واقعہ عظیم خیال کیا جاتا ہے اکبر نے یہ اصول ایک ہی دن میں نہیں سیکھ لئے تھے اس کو اپنی سلطنت کے مستحکم کرنے کے لئے اپنے عہد کے پہلے 20 سال تو فتوحات ہی میں گزارنے پڑے کیونکہ ملک ہند میں بہار بنگال' اوڑیسہ گجرات اور خاندیس کے معزول شدہ شاہی خاندان موجود تھے اور موقع کی تاک میں لگے ہوئے تھے اس صورت میں چپکا بیٹھا رہنا گویا دشمن کو اپنے اوپر حملہ کرنے کا موقع دینا تھا پس اس کو مجبوراً آگے قدم بڑھانا پڑا۔ اس کے پچھلے تجربے اور روزمرہ کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ اگر ہندوستان کے نصیب میں ملکی امن کی برکت سے مستفید ہونا ہے تو سارے ملک میں ایک شہنشاہ ہونا چاہیے۔

اس 20 برس کے عرصے میں اس کو کئی دفعہ فرصت کے موقعے بھی ملے جن میں وہ اپنے رفقا کے ساتھ اس سوال پر بحث کرتا رہا کہ ایک ایسی حکومت کس طرح قائم کی جائے کہ سارا مفتوحہ ملک محض رعایا کی محبت سے ہی قابو میں رہے اس کے دل میں کامل یقین ہو گیا تھا کہ قدیمی طریقے اب قابل استعمال نہیں رہے اور ہر ایک صوبے میں مستقل فوج رکھنے سے ہندوستان پر قبضہ رکھنا اور ملک کے باشندوں کے خیالوں' روایتوں' خواہشوں اور امیدوں کا کچھ بھی لحاظ نہ کرنا بالکل ناممکن ہے اور رعایا بھی وہ کہ دنیا بھر میں سب سے بڑھ کر شاعری اور خیالی باتوں کی طرف راغب ہو اور اپنے

آباواجداد کی روایتوں کے ساتھ ایسے مضبوط سے مضبوط تعلقات سے پیوستہ ہو جو نوع انسان کے دلوں پر اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتے۔

چار سو برس سے زیادہ اس طرز حکومت کی آزمائش ہوتی رہی مگر اس کا سکہ چل نہ سکا اگر کبھی بانئے نظام کے عہد میں اس کی قباحتیں ظاہر نہ ہوئیں۔ تو اس کے جانشینوں کے عہد میں اس کی قلعی کھل گئی اکبر سے پہلے جتنے بادشاہ ہوئے سب اسی ڈگر پر چلے گئے۔ کسی نے کوئی اور طرز اختیار نہیں کی ہاں اکبر کے جدامجد کو اس کی کچھ ضرورت معلوم ہوئی تھی مگر اس کو کافی وقت نہیں ملا کیونکہ اسے اپنے پاؤں جمانے کے لئے فتوحات حاصل کرنے سے فرصت ہی نصیب نہیں ہوئی اور ہمایوں تو اس معمے سے ایسا بے خبر رہا۔ کہ تقریباً تمام افغان بادشاہوں سے جو اس سے پیشتر ہوئے ہیں سبقت لے گیا اس نے ایک اپنے سے زیادہ لائق جرنیل سے شکست کھائی اور چونکہ اس کا طرز حکومت صرف ظاہری تھا اس لئے اس کے ساتھ ہی ایسا مٹ گیا کہ اس کا نام تک نہ رہا اکبر اپنے دل میں ایک دیرپا حکومت قائم کرنے کی ضرورت بخوبی سمجھ چکا تھا اور رفتہ رفتہ اس نکتے تک پہنچ گیا تھا کہ ایسے انتظام کی بنا طرفین کی عزت پر قوم مذہب اور پرانے دستور اور عقائد کے اختلاف کے متعلق باہمی آزادی پر اغراض کے متفق ہونے پر اور اس بات کی بخوبی سمجھ لینے پر مبنی ہونا چاہئے کہ اگر بادشاہ کو کسی طرح کا ضعف آیا تو اس سے ہر ایک فرد بشر کو زوال پہنچے گا۔ جو اس کے زیر سایہ ہیں یہ تو ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اس نے اپنے عہد کے پہلے 20 سال اپنے امرا اور کل علما کے ساتھ ایسی طرز حکومت پر بحث مباحثہ کرنے میں گزارے۔ جس کے ذریعے سے مفتوح قوم کی ایسی دلجوئی ہو جائے کہ اس پر پورا پورا یقین اور بھروسہ کر لیں۔

ابوالفضل کے ساتھ ملاقات ہونے سے پیشتر اکبر نا امید ہو کر اس کام سے تقریباً دست بردار ہو چکا تھا کیونکہ کار آمد مشورے کی جگہ صرف تعصب وتعدی کے مسئلے اس کے سننے میں آتے تھے غرض اپنے قدیم مشیروں سے تو اس کو قطعی مدد کی امید نہ رہی تھی بلکہ وہ ان کے آپس میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑنے سے تنگ آ گیا تھا کیونکہ ہاں مذہبی اختلاف ہوتا تھا خواہ طرفین مسلمان ہی کیوں نہ ہوں یہ لوگ ظلم وتعدی ہی سے اس کا تدارک کرنے

کی صلاح دیتے تھے۔" ابوالفضل کی وسیع حکیمانہ تعلیم سے واقف ہونے سے پیشتر اکبر نے یہ رائے قائم کر لی تھی کہ طرز حکومت قائم کرنے سے پہلے یہ ضروری امر ہے کہ ان متعصب ملاؤں کی مخالفت کی جائے جن کا سلطنت میں بڑا زور ہو گیا تھا پروفیسر بلاک مین صاحب لکھتے ہیں کہ ہندو رعایا کی نسبت اکبر کا خیال بہت اچھا تھا شام کے وقت جب فتح پور سیکری میں تنہا مغموم ہو کر پتھر پر جا کر بیٹھا کرتا تھا تو وہاں کرتے کرتے اس نے اپنے دل میں یہ ٹھان لی کہ کچھ ہی ہو میں تو اپنی کل رعایا کو یکساں سمجھوں گا۔ لیکن چونکہ مولویوں اور قاضیوں کی حد سے زیادہ سخت رائے اس کو ہمیشہ اس بات پر مجبور کر دیتی تھی کہ زخم پر مرہم رکھنے کی نسبت نشتر کے کوچے دینے بہتر ہیں اس لئے اس نے مباحثوں کا دستور نکالا تھا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ شاید میں غلطی پر ہوں اور چونکہ میں بادشاہ ہوں میرا فرض ہے کہ تحقیق کروں یہ مباحثے ہر جمعرات کی شب کو ایک مکان میں ہوا کرتے تھے جو اسی غرض سے اس نے فتح پور سیکری میں بنوایا تھا اور اس کا نام عبادت خانہ رکھا تھا۔

کچھ عرصے تک تو ابوالفضل نے ان مباحثوں میں زیادہ دخل نہیں دیا اور صرف مختلف مسلمان فرقوں کو ایک دوسرے کے دلائل کے جواب دینے اور رد کرنے میں مدد دیتا رہا مگر ان فرقوں کے سر گروہ عالموں کے تعصب اور تنگ خیالی نے اکبر کو سخت بیزار کر دیا وہ سب اس بات پر تو متفق تھے کہ ہندوؤں اور غیر مذہب والوں کے ساتھ سختی کی جائے مگر وہ اسی پر اکتفا نہ کرتے تھے بلکہ آپس میں بھی ایک دوسرے پر کفر کے فتوے صادر کرتے تھے اہل اسلام میں اتفاق ہونے کی بجائے اس کو کتنے ہی فرقے نظر آئے ان فرقوں کے بعض اشخاص ایک دوسرے کے ساتھ بڑی بدتہذیبی سے پیش آتے تھے ان میں سے کئی اعلیٰ عہدے دار سرکاری تھے اکبر ان سے اس قدر تنگ آیا کہ اسے مجبوراً ان کو تنبیہ کرنی پڑی کہ جو کوئی آئندہ ایسی بدسلوکی کرے گا اس مکان سے نکال دیا جائے گا آخر کار ایک جمعرات کی شام کو جو ہمیشہ قابل یادگار رہے گی ابوالفضل نے ایک بڑا نازک مسئلہ پیش کیا وہ خوب جانتا تھا کہ سخت مخالفت ہو گی پھر بھی اس نے مباحثے کے لئے یہ مضمون پیش کر ہی دیا کہ بادشاہ کو اپنے تئیں اپنی رعایا کا نہ صرف دنیوی بلکہ دینی ہادی بھی سمجھنا چاہیے۔

مذہب اسلام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ قرآن شریف تمام انسان کے بنائے ہوئے قوانین سے بڑھ کر ہے۔ ابوالفضل کا یہ مسئلہ گویا اس اصول کی بنیاد پر ایک کلہاڑی تھا ابوالفضل کا سارا زور اس بات پر تھا کہ اس سے پیشتر کے مباحثوں میں علمائے اسلام کا اختلاف نہ صرف قرآن شریف کے مختلف مقامات کے معنوں میں ہوا ہے۔ بلکہ خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق چلن کی نسبت بھی علماء کی ایک رائے نہیں اس لئے یہ طوفان جو ابوالفضل کے مسئلے کے پیش کرنے سے برپا ہوا۔ بڑا خوفناک تھا جس قدر مولوی اور قاضی وہاں موجود تھے جان گئے کہ یہ تجویز اسلام کے اصول اعظم پر حملہ ہے مگر جو لوگ بے تعصب اور متحمل مزاج تھے سمجھ گئے کہ گزشتہ مباحثوں میں جو خیالات انہوں نے ظاہر کئے وہ اسلام اور اس کے قانون کی پختہ حدود سے باہر تھے۔

لیکن اس تجویز کی مخالفت کون کرسکتا تھا کیونکہ اس کا اثر اکبر کے اختیارات پر پڑتا تھا اس مشکل میں پڑ کر انہوں نے ایک فیصلہ کیا گو اس کو وہ رفع فساد باہمی کہتے تھے مگر اصل میں ساری بات انہوں نے مان لی انہوں نے ایک محضر یعنی فرمان شرعی تیار کیا جس میں انہوں نے بادشاہ کو حاکم عادل تصدیق کیا اور اس کو مجتہد کا درجہ دیا۔ یعنی انہوں نے تسلیم کیا کہ اسلام کے متعلق تمام امور میں اس کی رائے کبھی غلط ہو ہی نہیں سکتی۔ اس اقرار سے جو کچھ ابوالفضل چاہتا تھا وہ سب پورا ہو گیا کیونکہ اس محضر میں یہ قرار پایا کہ بادشاہ عادل کی صرف رائے ہی قانون کا ماخذ ہے اور سارے مولویوں اور قاضیوں نے اس بات کا اقرار کیا کہ مذہبی امور میں اکبر کے احکام کی مطابقت کریں گے۔

ابوالفضل اکبرنامے میں لکھتا ہے کہ "اس تحریر سے نہایت ہی عمدہ نتائج نکلے یعنی اول تو دربار میں تمام مذہبوں کے عابدوں اور فاضلوں کا جمگھٹا رہنے لگا سب مذہبوں میں جو اچھی باتیں تھیں ان کی صفات حمیدہ نظر انداز نہ ہوئیں دوم پوری پوری مذہبی آزادی قائم ہوگئی یا یوں کہو کہ کسی شخص کو کسی کے ساتھ تعرض نہ رہا سوم شریر اور بدنیت لوگ بادشاہ کی بے غرضانہ خواہشوں کو دیکھ کر شرمندہ اور ذلیل ہوتے اور ان کو شکنجۂ ناکامی نصیب ہوتا یہ ضرور ہے کہ دو مسلمان مولویوں نے جو اس فریق کے سرگروہ تھے جن کی رغبت ظلم کی طرف تھی

اس تحریر پر دستخط تو کر دیے مگر بڑی ناراضگی سے برخلاف اس کے ابوالفضل کے باپ نے جو مذہب اسلام کی باریکیوں اور اس مذہب کے مختلف فروں کے مسائل سے بخوبی واقف تھا بڑی خوشی سے اس پر دستخط کیے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ میں کئی برس سے اس بات کے فکر میں تھا کہ آزادیے خیالات کو کب فروغ ہوگا۔

اس دستاویز پر دستخط ہو جانے سے اکبر نے گویا کایا ہی پلٹ لی اور اس کے عہد سلطنت کے معاملات میں تغیر عظیم واقع ہو گیا اور اب اس کی آزادی کا زمانہ شروع ہوا اس کی یہ رائے تھی کہ ہر ایک شخص کو مذہبی آزادی حاصل ہو اور اوروں کے خیالات کی رعایت مدنظر رکھی جائے اب وہ اپنی رائے کے موافق عمل درآمد کر سکتا تھا اب اس کے دربار میں ہندو' پارسی اور عیسائی بار یاب ہوتے تھے مدت سے اس کا یہ خیال تھا کہ بادشاہ اور دیسی راجاؤں کے اغراض ایک ہوں اسے اب اس تجویز کو عملی طور پر رواج دینے کا موقع مل گیا فی الحقیقت یہ دستاویز اس کے عہد کا میگنا کارٹا[1] تھا۔

اس دستاویز کے حاصل کرنے کے بیان میں جو طوالت ہوئی ہے یقین ہے کہ ناظرین اس کو معاف فرمائیں گے کیونکہ اس بادشاہ کو اسلام کی تنگ قیود سے آزاد کر دیا اور اس کے بعد قوانین مروج ہوئے اور جو کچھ بادشاہ نے کیا سب اسی بنا پر کیا ابوالفضل تو اس ایک ہی چال میں امیر کبیر ہو گیا یعنی بادشاہ کی اس کے ساتھ ہمیشہ کے لئے گہری دوستی ہو گئی مگر متعصب لوگ اس سے سخت نفرت کرنے لگے اور آخرکار اسی وجہ سے جیسا کہ پچھلے باب میں ذکر آ چکا ہے یہ قتل کیا گیا۔

اکبر نے خلیفۃ اللہ بن کر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ تمام حکام فوجداری اور حکام مال کو جو اس کی مرضی کے مطابق نہ چلتے تھے برطرف کر دیا اس کا صدر الصدور بڑا پکا

1۔میگنا کارٹا یعنی عہد نامہ اعظم وہ دستاویز ہے۔ جس پر امرائے انگلستان نے 1215ء میں جان (John) بادشاہ انگلستان سے بزور شمشیر دستخط کرائے تھے۔ اس عہد نامے نے امرا اور پادریوں کے حقوق کو بادشاہ کی دست اندازی سے بچایا اس سے پہلے رعایا کا کوئی حق ہی نہ سمجھا جاتا تھا لیکن اس عہد نامے نے عوام کے حقوق بھی صاف طور پر قائم کر دیے چنانچہ اس میں لکھا گیا کہ بادشاہ ہو یا بادشاہ کے سوا کوئی اور قانون کے خلاف کسی پر جبر کرنے یا نقصان پہنچانے یا قید کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔ اور نہ آمدنی کی انجمن کی مرضی کے بغیر محصول لگایا جائے گا اس عہد نامے کا منشا یہ تھا کہ شاہ انگلینڈ اپنے تئیں مطلق العنان نہ سمجھے بلکہ اپنے اختیارات کو محدود جانے یعنی یہ نہ ہو کہ جو چاہے سو کرے۔ عہد نامے کے اصولوں کا پابند رہے اور ان سے تجاوز نہ کرے۔

سنی تھا اور وہ اپنے اختیارات سے شیعہ اور اسی قسم کے اعتقاد رکھنے والوں کو جن میں ابوالفضل کا بھائی فیضی بھی شامل تھا ستایا کرتا تھا یہ بظاہر تعظیم کے ساتھ ملک سے نکالا گیا اور مکہ شریف کو روانہ کردیا گیا ایک اور بڑے عہدے دار کے ساتھ جو ایسا ہی متعصب تھا اسی قسم کا سلوک ہوا اور جملہ حکام پر اس قاعدے کی پابندی لازمی ٹھہرائی گئی کہ قانون کی نظر میں مذہبی اختلاف کا کچھ وقر نہیں اور ہر ایک آدمی کے ساتھ یکساں سلوک کرنا چاہئے چاہے وہ سنی ہو چاہے شیعہ چاہے مسلمان ہو چاہے ہندو قصہ کوتاہ کسی قاضی یا عدالتی کو مذہب کا کچھ خیال نہیں کرنا چاہئے۔

اس وقت سے لے کر بادشاہ نے اپنی سلطنت کی اصلاح اور استحکام کے لئے جو کچھ کیا وہ فیضی اور ابوالفضل کے مشورے سے کیا کیونکہ یہی اس کے بڑے مشیر کار تھے ان دونوں کو بادشاہ نے صیغۂ جنگی میں مراتب عطا کئے کیونکہ اس کے بغیر ان کا کچھ وقار نہیں ہوسکتا تھا یہ عموماً بادشاہ کے ساتھ مہموں پر جاتے۔ صیغۂ مال اور اراضی کے متعلق اصلاحیں پیش کرتے اور ساتھ ہی بادشاہ کو صلاح مشورہ دیتے تھے اور اس کی رائے کی تائید کرتے تھے۔

اس زمانے کے میلان طبع اور اپنی رعایا کے خیالات کے مطابق اکبر اس بات کی تیاریاں کررہا تھا کہ ایک مذہبی ضابطہ مرتب کرکے مروج کرے اور اس کا خیال تھ کہ اس کی رعیت کا بہت بڑا حصہ اس ضابطے کو پسند کرے گا اس اصول کے مجموعے کا نام دین الٰہی تھا اور اس کی خاص باتیں یہ تھیں کہ خدا ایک ہے اور اکبر اس کا خلیفہ یعنی نائب زمین پر ہے۔ اسلامی طریق کی دعاؤں کو کافی فراخ نہ ہونے کی وجہ سے ترک کیا اور ان کی جگہ زیادہ وسیع خیالات کی دعائیں اختیار کی گئیں یہ دعائیں پارسیوں کی تقلید پر تھیں۔ اور ان کے ادا کرنے کا طریق ہندوؤں کا سا تھا تمام سرکاری دفتروں میں پارسیوں کے سنہ کا رواج ہوا اور شاہی جشن بھی اسی سنہ کے مہینوں کی رعایت سے مقرر کیے گئے مسلمانوں نے ان نئی باتوں کی کچھ بڑی مخالفت نہیں کی لیکن ان میں جو کٹے تھے اور حرارت مذہبی رکھتے تھے وہ اس شخص سے بڑی نفرت کرنے لگے جس کو وہ بادشاہ کا بڑا شیر کار سمجھتے تھے۔ ہندو راجاؤں اور امرا کو فوج میں اور دربار شاہی میں بڑے بڑے عہدے ملنے سے

وہ بڑا حسد کرتے تھے اس بات کی انہیں کچھ پروانہ تھی کہ بھگوانداس مان سنگھ ٹوڈرمل بیربل جیسے اشخاص معمول سے کہیں زیادہ لیاقت رکھتے تھے چونکہ یہ ہندو تھے محض اسی وجہ سے مسلمان مورخ جب کبھی ان کا نام لیتے۔ ان کے مذہب پر طعن کرنے اور اس بات کے کہنے سے کہ آخرت میں ان کی نجات نہ ہوگی باز نہ رہ سکتے تھے اکبر کی طبیعت کا میلان تفتیش کی طرف بہت تھا یہ بات اس امر سے بھی ظاہر ہے کہ گوا کے مقام پر اس زمانے میں اہل پرتگال آبسے تھے اکبر نے ان کے مذہب کی نسبت کامل واقفیت حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی اس نے فیضی کو حکم دیا کہ عہد نامہ جدید یعنی انجیل کا فارسی زبان میں من و عن ترجمہ کرے اور گوا کے پادری روڈ الفوا ایکوا وائی وا (Padre Rodolpho Aquaviva) کو جو جسویٹ[1] (Jesuit) فرقے کا تھا آگرے آنے پر راضی کرلیا۔

جب یہ پادری آیا تو عبادت خانے میں بڑا بھاری مذہبی جلسہ ہوا جس میں اہل اسلام کے بڑے بڑے فقیہ اور مولوی برہمن' جین' بدھ مت' والے' ویدانتی' عیسائی' یہودی اور آتش پرست یعنی پارسی موجود تھے اور سب نے باری باری سے تقریریں کیں۔ ابوالفضل اس موقعہ کو یوں بیان کرتا ہے "ہر ایک نے بے خوف اپنے دعوے اور دلائل پیش کئے اور بحث و مباحثہ دیر تک اور پر جوش ہوتا رہا ہر ایک مذہبی فرقے نے اپنے زعم میں آکر فریقین کی رائے پر حملہ کیا اور اس کے رد کرنے کی کوشش کی پادری روڈالفو صاحب (Padre Rodolpho) عیسائی علما میں اپنی ذہانت اور دانائی کے سبب بے نظیر تھے ایک رات یہ بھی عبادت خانے میں رونق افروز ہوئے کئی جھگڑالو اور متعصب آدمیوں نے ان پر اعتراض کئے جس سے اس مجلس کی قلعی کھل گئی اور پرانے دقیانوسی دعوے پیش کئے گئے مگر کسی نے یہ کوشش نہ کی کہ دلائل سے ان کو ثابت بھی کریں آخر ان دعووں کی دھجیاں اڑائی گئیں اور جب انہوں نے انجیلوں کے اختلافات پر اعتراض کئے اور اپنے دعووں کو ثابت نہ کرسکے تو بڑے شرمندہ ہوئے کمال سنجیدگی اور اپنے مذہب کی صداقت کے دلی یقین سے پادری صاحب نے ان

1- یہ رومن کیتھلک پادریوں کا ایک فرقہ ہے جو سولہویں صدی مسیحی میں قائم ہوا اس کے ممبروں کے لئے ضروری ہے کہ عمر بھر کے لئے افلاس فرمانبرداری اور پاک دامنی اختیار کریں۔

کی دلائل کا جواب دے کر یہ کہا۔

"اگر ان آدمیوں کی ہماری کتاب مقدس کی نسبت یہی رائے ہے اور وہ قرآن شریف کو خدا کا کلام مانتے ہیں تو ایک بڑی بھٹی جلائی جائے میں انجیل کو ہاتھ میں لے کر اور علمائے اسلام اپنی کتاب مقدس اپنے ہاتھ میں لے کر اس صداقت کی آزمائش گاہ کے اندر چلیں وہاں صداقت ظاہر ہو جائے گی" سیاہ باطن اور بزدل مباحثہ کرنے والے اس تجویز سے پیچھے ہٹ گئے اور جواب میں برا بھلا کہنے لگے اس تعصب اور زبردستی سے بادشاہ کا دل جس میں کسی کی طرفداری کو دخل نہ تھا بہت آزردہ ہوا اور بڑی تمیز اور تہذیب سے اس نے یہ الفاظ منہ سے نکالے۔

"انسان کے ظاہری اقبال کرنے اور شریعت اسلام کو صرف دکھاوے کے لئے تسلیم کر لینے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک دل کے اندر کامل یقین نہ ہو میں نے اپنی حکومت کا خوف دلا کر کئی برہمنوں کو مذہب اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور کیا مگر چونکہ اب میرا دل راستی کی شعاعوں سے منور ہو گیا ہے مجھے کامل یقین ہے کہ تمہارے دلوں پر غرور اور خود بینی کی سیاہ گھٹا چھا گئی ہے اور ثبوت کی مشعل کے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں رکھا جا سکتا صرف وہی بدستور فائدہ بخش ہو سکتا ہے جس کو ہم صاف دلیل کے ساتھ اختیار کریں کلمہ پڑھنا ختنہ کروانا یا بادشاہ کے رعب داب کے خوف سے زمین پر سجدہ کرنا خدا کی نظر میں کچھ وقعت نہیں رکھتا اور ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ ہے صرف زمین پر سجدہ کرنے کا نام تابعداری نہیں راست بازی پر عمل کرو کیونکہ پرہیز گاری پیشانی پر نہیں رہتی"۔

ہم اس مباحثے اور اس آتشیں آزمائش کو جو عیسائی پادری نے پیش کی چاہے کچھ ہی خیال کریں مگر اس سے اتنی بات تو صاف ظاہر ہے جس سے ہمیں خوش ہونا چاہئے کہ عبادت خانے کے مباحثوں میں پوری پوری آزادی تھی۔ جس سے اکبر کی طبیعت کا میلان ظاہر ہوتا ہے ان دلائل کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکبر کا اعتقاد تمام مذہبی مسائل اور مروجہ مذاہب کی طرف سے اُٹھ گیا اور ان کی بجائے وہ صرف دنیا کے ایک خالق کو ماننے لگا اور اپنے آپ کو دنیا میں خدا کی طرف سے اس زمانے کا پیغمبر سمجھنے لگا تاکہ مذہبی آزادی

یکساں انصاف اور خیال کی پوری آزادی کے فیض بخش اصولوں کو دنیا میں رواج دے
خیال کی آزادی کی اگر حد تھی تو یہ تھی کہ اوروں کی جان خطرہ نہ ہو وہ مسلمانوں کا سخت
مخالف تھا کیونکہ وہ بخوبی جانتا تھا کہ اس زبردست فرقے کے علما ہمیشہ ظلم کی طرف رائے
دیتے ہیں لیکن یہ سب کی سنتا تھا مگر چونکہ تمام مذاہب میں اس نے یہ نقص دیکھا کہ
خدائے تعالیٰ کی وسیع فیض عام اور دور تک پہنچنے والی عالمگیر صفات کو ملاؤں پنڈتوں
اور پادریوں نے اپنے اغراض نفسانی کے سبب بگاڑ دیا ہے اس نے تمام مذاہب کے اماموں
کو بالائے طاق رکھ کر اس خدا کے آگے جو ان سب کا بالاشتراک خدا ہے اپنا سر جھکا دیا۔

چونکہ یہ سورج کو خدا تعالیٰ کا مظہر سمجھ کر اس کی تعظیم کرتا تھا اس لئے اس کو آتش
پرست کہا گیا ہے اور ہاں اس میں کچھ شک نہیں کہ پارسیوں کا سیدھا سادہ مذہب اس کو
بہت پسند آیا تھا اس کے طریق مذہب میں کسی ملا کی ضرورت نہ سمجھی گئی تھی اس نے اپنے
تئیں ہی دنیا میں خلیفۃ اللہ سمجھ کر ہر ایک مذہب کی اچھی اچھی باتیں انتخاب کیں تا کہ اس
کا ایجاد کیا ہوا مذہب سب کے لئے بہبودی کا ذریعہ ہو اور کسی کو ایذا پہنچنے کا وسیلہ نہ رہے
اس کے مذہب کے وسیع اصول کو اس کے زمانے کے لوگ اسی طرح نہیں سمجھ سکتے تھے
جس طرح اس کے وسیع ملکی خیالات کو نہ سمجھتے تھے دنیا میں اس کے خیالات شائع ہونے
کے لئے ضرور تھا کہ اس کے بعد کوئی اس کا ہم خیال ہی اس کا جانشین ہوتا مگر یہ ناممکن تھا
اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے مرنے کے بعد اس کا ملکی انتظام رفتہ رفتہ اسی پرانے طریق پر
آ گیا جہاں سے اس نے اس کو نکالا تھا اور اس کا مذہب اس کے ساتھ ہی نیست و نابود
ہو گیا اس کے دو جانشینوں کے عہد سلطنت کے بعد جو ایسے ویسے ہی مسلمان تھے ظلم نے
پھر اپنا پاؤں جمایا اور جو کچھ نامور اور دانشمند اکبر نے کر دکھلایا تھا۔ وہ سب رائیگاں کر دیا اور
اس اصول کے تنزل سے جو حکومت مغلیہ کی جان تھا ایک ایسی قوم کی حکومت کے لئے
رستہ تیار کر دیا جو اکبر کے ان غیر فانی اصول کو تر و تازہ کرے وہ اصول کیا ہیں؟ سب کے
لئے اوصاف کا یکساں ہونا اور سب کے لئے مذہبی آزادی۔

اوپر ہم نے اشارہ کیا ہے کہ خیالات کی آزادی اکبر کی نظر میں وہاں تک جائز تھی کہ

جس سے کسی کی جان کا خطرہ نہ ہو اکبر نے ہندوؤں کی رسم ستی کے بارے میں اس اصول کی بڑی مثال قائم کی لفظ ستی کے لغوی معنی پاکدامن عورت ہے اور اصطلاح میں اس ہندو عورت کو کہتے ہیں جو جیتے جی اپنے خاوند کی چتا میں جل مرے ہندوؤں کی اعلیٰ خاندانی عورتوں میں یہ رواج اس قدر پرانا تھا کہ اس کے برعکس کرنا بیوہ کی پاکدامنی پر خود دھبہ لگانا سمجھا جاتا تھا مگر کچھ ہی ہو جان پیاری ہوتی ہے بعض موقعہ پر بیچاری بیوہ جس کے دل میں یقین ہوتا تھا کہ میں پاکدامن ہوں محض ایک خیال کے پیچھے جان دینے سے انکار کر دیتی تھی اکثر یہ بھی ہوتا تھا کہ پنڈت لوگ اگلے جنم کی تکلیفوں کی دھمکی دے کر یا اخلاقی مسائل سے حوصلہ افزائی کر کے بیوہ کے منہ سے رضامندی کا اظہار کروالیا کرتے تھے۔

مگر اکبر کو اپنی رحمدلی کے سبب ایسی باتوں سے سخت نفرت تھی اس سے جہاں تک ہو سکا اس دستور کو گھٹاتا رہا۔ راجپوتانے کے راجا اس رسم کو بڑی تعظیم کی نظر سے دیکھتے تھے یہاں تک کہ اس کو ایک مذہبی حکم تصور کرتے تھے اور اکبر کا ان کے ساتھ بڑا ربط ضبط تھا اس لئے وہ ان کے قدیم رواج کو موقوف کرنا مناسب نہ سمجھتا تھا اس نے اتنا مان لیا کہ جب بیوہ خود خوشی سے اپنی قربانی کرنی چاہے تو منع نہ کیا جائے اکبر بخوبی سمجھتا تھا کہ جب تک محلوں کے اندر رہنے والی رانیاں خود ستی کی رسم کو برا نہ جاننے لگیں۔ اس وقت تک یہ حکم اتنائی قطعی طور پر جاری نہیں کرنا چاہئے مگر اس نے اتنا حکم تو جاری کر دیا کہ جب بیوہ ذرا سا بھی انکار کر دے تو ستی ہونے نہ پائے۔

صرف باتوں ہی باتوں پر اکبر اکتفا نہ کرتا تھا ایک دفعہ جب وہ اجمیر میں تھا اس کو خبر لگی کہ اجمیر کیر لبہ بہاری مل کا بھتیجا جے مل جو بنگال کے امرا کی طرف سے سفیر بنا کر بھیجا گیا تھا بمقام چوسہ فوت ہو گیا ہے اس سے اکبر کو بڑی محبت تھی کیونکہ راجپوتانے کے امرا میں سے یہی سب سے پہلے اس کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور ہمیشہ بڑی وفاداری سے اس کی خدمت کرتا رہا اس کی شادی راجہ اودے سنگھ والئے جودھ پور کی ایک لڑکی سے ہوئی تھی اور اس رانی کی عادت تھی کہ اپنی بات سے کبھی نہ ہٹتی تھی جب اس کو بمقام امیر اپنے خاوند کے مرنے کی خبر پہنچی تو اس نے ستی ہونے سے قطعی انکار

کردیا شاہی احکام کے مطابق اس کو کامل اختیار تھا کہ جس طرح چاہے کرے جب وہ انکار کر چکی تو لوگوں نے اس کو بہت کچھ برا بھلا کہنا شروع کیا اور اس کا لڑکا اودے سنگھ مخالفین کا سرگروہ بن گیا اور بدنامی اس درجے تک پہنچ گئی کہ یہ ارادہ کیا گیا کہ اس کو پکڑ کر چتا میں ڈال دیا جائے۔ اکبر کو بھی اس کی خبر لگ گئی اس نے اس ظلم کو روکنے پر کمر باندھی۔ اور یہ خیال عین موقعہ پر کیا گیا کیونکہ جب اس کے عامل جن میں جیمل کا چچا بھی شامل تھا مرگھٹ پر پہنچے تو چتا کو آگ لگائی جا چکی تھی انہوں نے اودے سنگھ کو گرفتار کرلیا اور مجمع کو منتشر کر کے رانی کی جان بچالی۔

اکبر بلاشک اپنے عالم اور آزاد خیال دوستوں فیضی اور ابوالفضل سے بڑی محبت رکھتا تھا مگر وہ ہر ایک ذی علم شخص کی جو علم کی طرف درحقیقت اپنا شوق دلی ظاہر کرتا بڑی قدر کیا کرتا تھا اور علم حاصل کرنے کی سچی خواہش رکھتا تھا اسے حیلے حوالے اور دغا فریب سے سخت نفرت تھی مگر اس کو تھوڑے ہی عرصے میں معلوم ہو گیا کہ اس کے دربار کے علما کی تمام باتوں میں یہ دونوں صفتیں مستتر ہوتی ہیں جب وہ ان کی اصلیت سے واقف ہو گیا تو وہ ان سے تنگ آ گیا اور یہ ارادہ کیا کہ اب میں ان کے باطل دعووں کو مشتہر کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھوں گا۔

پروفیسر بلاک مین صاحب لکھتے ہیں کہ ''اکبر کسی میں غرور و تکبر دیکھ کر ہرگز چشم پوشی نہیں کرتا تھا اور تمام قسم کے غروروں میں سے علم کے غرور سے اس کو سخت نفرت تھی'' اس سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ جنم کا کام اس کی رائے سے بگڑا تھا انہوں نے یہ واویلا مچانی شروع کی کہ بادشاہ علم اور عالموں کی بے قدری کرتا ہے مگر اکبر نے کوئی ایسی بات نہیں کی بلکہ ہندوستان میں اس سے بڑھ کر اور کسی نے اصلی عالموں کی قدر دانی میں فیاضی ظاہر نہیں کی صاحبان انگریز بھی جو ملک ہند کے بادشاہ ہیں اس بارے میں اس کی پیروی کرنے سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں خان اعظم مرزا عزیز اس کی پیاری انا کا لڑکا تھا یہ اپنے زمانے کا بڑا تاریخ داں اور صاحب فراست تھا اور اس کی طبیعت میں تفتیش و تلاش بہت تھی بہت عرصے تک یہ مرد خدا دین اسلام کا پابند رہا۔ اکبر کے اختراعی

مذہب پر ہنسا کرتا تھا خصوصاً فیضی اور ابوالفضل کا بہت مضحکہ کیا کرتا تھا اس نے ان کے نام ایسے رکھ چھوڑے تھے جن سے ان دعووں کی نسبت اسی کی مخالف رائے ظاہر ہوتی تھی مگر کچھ مدت بعد اس کو مکے جانے کا موقع ملا وہاں ملاؤں نے اس کو ایسا لوٹا کہ اس کا مذہب اسلام کا جوش خود بخود ٹھنڈا پڑ گیا جب آگرے واپس آیا تو اس نے بھی دین الٰہی اختیار کر لیا۔ یہ نظام اچھی لکھتا تھا اور اپنی ذہانت اور بے تکلف طرز تحریر کے سبب مشہور تھا اس کی بے شمار کہاوتوں میں سے یہ کہاوت اب تک پشت بہ پشت چلی آتی ہے کہ ''آدمی کو چار عورتیں کرنی چاہئیں ایرانی عورت باتیں کرنے کے لئے' خراسانی عورت گھر کے کام کے لئے' ہندو عورت بچوں کی پرورش کے لئے اور ترکستانی عورت ڈنڈے کھانے کے لئے جس سے باقی تینوں عبرت حاصل کریں''۔

مرزا عبدالرحیم جس کا باپ بیرم خاں اکبر کا اتالیق رہ چکا تھا بڑے لئیق جنگی افسروں میں سے تھا اور سرکاری عہدہ داروں میں بڑا فیاض شخص تھا کئی سال یہ خانخاناں کے عہدے پر مامور رہا۔ جو سپہ سالاری کے عہدے کے برابر تھا جیسا یہ میدانِ جنگ میں بہادر تھا۔ ویسا ہی عالم بھی تھا اس وقت اکبر کے دربار میں زبان فارسی کا رواج تھا اس نے توزک بابری جس کو ابوالفضل نے عملی دانائی کا ضابطہ کہا ہے ترکی زبان سے فارسی زبان میں ترجمہ کر کے ایک جلد اکبر کی خدمت میں پیش کی باقی مصنفوں میں سے یہ نامی ہوئے ہیں اول نظام الدین احمد جس نے طبقات اکبری یعنی اکبر کے عہد کی تاریخ لکھی۔ دوم تاریخ الفی یعنی اسلام کی ایک ہزار سال کی تاریخ کا مصنف اور سوم سب سے بڑھ کر اور پکا مسلمان عبدالقادر بداؤنی جس نے تاریخ بداؤنی لکھی اور ملک کشمیر کی ایک تاریخ کو مرتب کر کے اس پر نظر ثانی کی۔

بدایونی ایک بڑا عجیب آدمی تھا عمر میں اکبر سے دو سال بڑا تھا مگر اوائل عمر میں اپنے زمانے کے بڑے مشہور اور دین دار استادوں سے اس نے مختلف علوم حاصل کئے تھے اور علم موسیقی' تاریخ اور علم ہیئت میں اس نے بڑی مہارت پیدا کی تھی اس کی آواز بڑی رسیلی تھی اس لئے ہر جمعے کے جمعے یہ درباریوں کا امام بنتا تھا چالیس سال بداؤنی

شیخ مبارک اور اس کے بیٹے فیضی اور ابوالفضل کے ساتھ دربارشاہی میں رہا مگر ان کے ساتھ اس کی کچھ دلی دوستی نہ تھی کیونکہ بدایونی پکا مسلمان تھا اور ان کو ہمیشہ بے دین سمجھتا تھا اکبر کے حسب الحکم اس نے رامائن کا ترجمہ سنسکرت زبان سے فارسی میں کیا اور مہا بھارت کے کچھ حصے کا بھی اس نے تاریخ بدایونی المعروف بہ منتخبات التواریخ لکھی یہ کتاب اس لئے قابل قدر ہے۔ کہ اس میں اکبر کے مذہبی خیالات کا تذکرہ ہے اور اس کے عہد کے مشہور و معروف لوگوں کے حالات درج ہیں۔

بدایونی شہنشاہ اکبر سے تقریباً 11 سال پیشتر فوت ہوا اس نے تاریخ بدایونی کو بڑی احتیاط سے چھپائے رکھا۔ جب جہانگیر کو حکومت کرتے ہوئے کچھ مدت گزر چکی تو اس وقت اس کتاب کی لوگوں کو خبر ہوئی پکے مسلمان جو اکبر کے نئے دستوروں کے خلاف تھے اس کتاب کو بڑا پسند کرتے تھے اور جوں جوں اکبر کے نئے دستوروں کی جگہ از سرِ نو خیالاتِ مذہبی کے سبب ظلم کا دستور قائم ہوگا گیا اس کتاب کی قدر و منزلت بڑھتی گئی۔

جن عالموں نے اپنی لیاقت' محنت اور علم سے اکبر کے عہد کی علمی عظمت کو بڑھایا شاید ان سب کا ذکر کرنا ضروری نہیں۔ لاثانی کتاب آئینِ اکبری میں ان سب چھوٹے بڑوں کی مکمل فہرست ہے لیکن جہاں تک بادشاہ نے بذات خود علم و فنون کو ترقی دی اس کا مختصر ذکر کرنا بھی ضرور چاہئے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کو اس بات کا بڑا شوق تھا۔ کہ اس کے کتب خانے میں وہ تمام کتابیں بھی جمع رہیں جو اس کی قلمرو کے علاوہ اور ملکوں سے دستیاب ہوئی تھیں اور نیز ہندوؤں کی سنسکرت کی کتابیں اور اُن کے ترجمے جن کو وہ ہمیشہ جمع کرتا یا زبان فارسی میں ترجمہ کرواتا رہتا تھا موجود رہیں آئینِ اکبری کا مصنف لکھتا ہے کہ اس کتب خانے کے کئی حصے تھے "بعض کتابیں حرم سرا کے اندر اور بعض کتابیں حرم سرا کے باہر رہتی ہیں اور پھر کتابوں کی قیمت اور ان کے مضامین کے لحاظ سے کتب خانے کے ہر ایک حصے کے کئی چھوٹے چھوٹے حصے ہیں نثر کی کتابیں' نظم کی کتابیں' ہندی' فارسی' یونانی' کشمیری اور عربی زبان کی کتابیں

سب جدا جدا رکھی ہوئی ہیں اسی ترتیب سے ان کا ملاحظہ بھی ہوتا ہے تجربہ کار اشخاص روز مرہ ان کتابوں کو لاتے ہیں اور بادشاہ کے حضور میں پڑھتے ہیں اور وہ ہر ایک کتاب کو شروع سے آخر تک سنتے ہیں جہاں پڑھنے والے ٹھہر جاتے ہیں وہاں بادشاہ اپنی قلم سے جتنے صفحے پڑھے گئے ہیں نشان کر دیتے ہیں اور جتنے ورق پڑھے ہوں اسی قدر پڑھنے والے کو نقد یا سونے یا چاندی انعام میں دے دیا جاتا ہے۔

مشہور کتابوں میں سے شاید ہی کوئی ایسی ہو جو بادشاہ کے دربار کے کمرے میں پڑھی نہ گئی ہو اور زمانہ ماضی کی تاریخی باتیں یا علم کے رموز یا فلسفے کی دلچسپ باتیں کوئی ایسی نہیں جن سے حضور جو انصاف پسند عالموں کے سرتاج ہیں۔ واقف نہ ہوں" اس کے بعد ان کتابوں کی ایک طویل فہرست درج ہے جن کو بادشاہ بڑا پسند کرتے تھے اور جن میں سے بعض کا اس سے پیشتر ذکر بھی آچکا ہے۔

اکبر کے عہد کی تاریخ پر جو اثر علم اور اہل علم کے باعث ہوا ہے اس کا ذکر کاری طور پر کیا جا چکا ہے جب تک فیضی اور بوالفضل جیتے رہے ان کے خیالات کا اثر بادشاہ کی طبیعت پر چھایا رہا بلکہ مرنے کے بعد بھی قائم رہا کیونکہ جو نصیحتیں اس نے کیں۔ ان سے بادشاہ کی طبیعت اور پختہ ہوگئی ان دونوں بھائیوں کے اصول بھی وہی تھے جو اکبر کو پسند تھے اور وہ یہ تھے اول اگر اور لوگ کسی امر میں تمہارے متفق الرائے نہ ہوں تو اس سے ہرگز برا نہ ماننا دوم بلا تخصیص ذات یا مذہب کے سب کے ساتھ یکساں انصاف کرنا۔ سوم باشندگان ملک کے سر پر جو بوجھ ہیں۔ ان کو ہلکا کرنا چہارم ہر قوم و ملت کے لوگوں کے اغراض متحد بنا کر ان کو شیر و شکر کر دینا یعنی راجپوت راجا جو اپنی قدیمی نسل کا غرور رکھتے تھے اور مسلمان حملہ آوروں کو نیچ اور اجنبی سمجھتے تھے اور ازبک اور مغل امرا جو فتح کرنے کے باعث ملک کو اپنی ملکیت جانتے تھے اور یہاں کے باشندوں کو صرف غلام بنانے کے لائق خیال کرتے تھے اور افغانی نسل کے وہ لوگ جو اس ملک میں آباد ہو گئے تھے اور چار سو برس میں خلط ملط ہو کر ہندوستان کی آبادی کا ایک حصہ بن گئے تھے اور اس ملک کے اصلی باشندے جو مہربانی اور حسن سلوک کے بدلے ہمیشہ

جان دینے کو تیار رہتے تھے ان سب کو ایک دوسرے کا خیر خواہ بناتا۔

مگر ایک گروہ ایسا تھا کہ اس کو راضی کرنا ناممکن تھا یہ وہ مسلمان شہزادے تھے جن کے خاندانوں میں حکومت رہ چکی تھی اور جو ابھی تک اس امید میں تھے کہ پھر ان کی باری آئے گی یہ بنگال اڑیسہ بہار اور مغربی ہندوستان کے بہت سے حصول میں ابھی تک حکمراں تھے۔ اور ان کے پاس بڑی بڑی فوجیں تھیں۔ یہ لوگ اپنے تئیں اکبر سے اعلیٰ سمجھ کر اس کی مخالفت کرتے تھے مگر یہ نہ سمجھتے تھے کہ ان کے بزرگوں کی حکومت صرف بالائی یا برائے نام ہی تھی۔ اور اکبر کی جڑیں پتاں تک پہنچ چکی ہیں۔ جس طرح ان کو رضامند کرنے کے لئے کوشش کی گئی اور جس طرح ان کے چال چلن سے تنگ آکر مجبوراً ان کو برطرف کرنا پڑا۔ ان سب باتوں کا ذکر پچھلے باب میں آچکا ہے۔

قدرت نے جو بڑے فراخ دل اصول اکبر کے دل میں ڈال دیئے تھے فیضی اور ابوالفضل کی صحبت سے ان کو بڑی تقویت ہوگئی اب ہم یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ان کا اثر اس طرز حکومت پر کیا ہوا جو اس مصلح بادشاہ نے جاری کی تھی اکبر کا اس مضمون کا ایک مقولہ تو ہم اوپر درج کر چکے ہیں کہ اس کی حکومت کا ایک زمانہ وہ تھا کہ اس نے برہمنوں کو زبردستی مسلمان کیا تھا چونکہ یہ خود اکبر کا بیان ہے اس واسطے تعجب نہیں کہ ایسا ہوا ہو لیکن کوئی تحریر نہیں ہمیں اس امر کی نہیں ملی جس سے ثابت ہوا کہ زبردستی لوگوں کو مسلمان کیا گیا شاید اکبر کے ایام نابالغی میں جب کل حکومت بیرم خاں کے ہاتھ میں تھی برہمن جبراً مسلمان کیے گئے ہوں گے جس وقت سے اکبر نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی یعنی جس دن سے اس نے بیرم خاں کو مکے کی طرف روانہ کیا اسی وقت اس بادشاہ نے اپنا یہ ارادہ مشتہر کیا۔ کہ ہندو اور مسلمانوں کو باتمیز رتبے دیئے جائیں گے اور مرتے دم تک یہ اس بات سے نہ ٹلا یہ پرانا دستور چلا آتا تھا کہ جو فوج فتح پاتی تھی اس کو یہ اختیار ہوتا تھا کہ مفتوح لوگوں کی عورتوں، بچوں اور متعلقین کو چاہیں تو زبردستی بیچ ڈالیں یا غلام بنا کر رکھیں اکبر نے اپنے مقصد کے ساتویں سال میں یعنی جب اس کی عمر 21 سال کی تھی یہ دستور موقوف کر دیا اور یہ حکم نافذ فرمایا کہ دشمن کا جرم چاہے کیسا ہی کیوں نہ ہو اس کا اثر اس کے

بچوں اور متعلقین پر نہیں پڑتا بلکہ ان کو اختیار ہے کہ چاہیں اپنے گھر چلے جائیں چاہیں
اپنے رشتہ داروں کے پاس جائیں کوئی شخص خواہ امیر ہو یا خواہ غریب غلام نہیں بنایا جائے
اس آزاد خیال بادشاہ نے یہ سوچا کہ "اگر خاوند کا جرم ہو تو اس کی عورت کا کیا قصور؟ اور اگر
باپ باغی ہو جائے تو اس میں اس کی اولاد کا کیا واسطہ؟"

اور عیبوں کی اصلاح میں بھی یہ فیاضانہ اور دور اندیش پالیسی بڑی سرگرمی سے برتی
گئی اگلے سال یعنی آٹھویں سنہ جلوس میں بادشاہ نے ایک ایسے ٹیکس کے بند کرنے کا پختہ
ارادہ کیا جس سے آمدنی تو بہت ہوتی تھی مگر ہندو رعایا کے دلوں پر اکبر کے خیال میں
چوٹ لگتی تھی دنیا بھر میں کوئی قوم ہندوؤں سے بڑھ کر تیرتھ کرنے والی نہیں ہندوستان
کے ہر ایک صوبے میں ان کے معبد بکثرت ہیں ہر ایک کا اپنا دیوتا اور خاص خاص پن
ہے اکثر جاتریوں کو بڑے لمبے اور کٹھن راستے طے کرنے پڑتے ہیں۔ اور عموماً یہ خیال
ہوتا ہے کہ جتنا دراز سفر ہو اتنا ہی بڑا پھل ہوتا ہے اکبر بادشاہ سے پہلے جو افغان بادشاہ
گزرے تھے وہ اس ذریعے سے ایک بڑی اور مستقل آمدنی پیدا کر لیتے تھے یعنی تمام
جاتریوں پر ہر ایک شخص کی آمدنی کے مطابق محصول لگاتے تھے۔

ابوالفضل بیان کرتا ہے کہ اس ٹیکس سے بڑی آمدنی ہوتی تھی ہر سال لاکھوں
روپے آجاتے تھے مگر لوگ اس کو بڑا ظلم سمجھتے تھے ہندوؤں کی نظروں میں تیرتھ کرنا از
روئے دھرم ایک بڑا فرض سمجھا جاتا تھا۔ اور دھرم کی تشریح کرنے والے یعنی برہمن
لوگ بھی اس کو بڑا فرض قرار دیتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ جب ہم بڑی تکلیفیں
برداشت کرتے ہیں اور گھر سے لے کر منزل مقصود تک یعنی سینکڑوں میل کا سفر زمین پر
لیٹ لے کر طے کرتے ہیں تو پھر کس واسطے بادشاہ ہمیں لوٹتا ہے؟ ہندو رعایا کی یہ
شکایت اکبر کے کانوں تک پہنچ گئی جو امرا خیال کرتے تھے کہ یہ محصول آمدنی کا ایک
آسان طریقہ ہے۔ انہوں نے اس کی تائید میں یہ عذر پیش کیا کہ چونکہ تیرتھ ترک
نہیں کریں گے اور محصول کی آمدنی پختہ اور مسلسل رہے گی اس کو بند کرنا ایک خراب مالی
تدبیر ہوگی اکبر نے یہ تو مان لیا کہ یہ عوام ہندوؤں کی توہمات پر ایک محصول ہے اور جو

ہندو گھر میں بیٹھا رہے وہ اس محصول سے بچ بھی سکتا ہے مگر پھر بھی اس نے یہ سوچا کہ چند تیرتھ کرنا ہندو دھرم کا ایک تاکیدی حکم ہے اور ایک طرح پر خدا تعالیٰ کی عبادت کرنے کا ہندوؤں کا طریق ہے تو جس کو وہ ایک مذہبی حکم سمجھتے ہیں اسکی اطاعت میں ذرا سی رکاوٹ بھی ڈالنی جائز نہیں اس لئے یہ محصول اس نے معاف کر دیا۔

مسلمان بادشاہوں نے غیر مذہب کے لوگوں پر ایک محصول بنام جزیہ لگا رکھا تھا اس کی نسبت بھی اکبر نے معافی کا حکم جاری کر دیا ہندوستان کے افغان بادشاہوں نے جب مسلمانوں کی عملداری کا آغاز ہی ہوا تو یہ محصول لگایا تھا ہندو اس سے بڑھ کر اور کسی ٹیکس سے ناراض نہ تھے کیونکہ اس کے سبب سے حکومت جتانے اور ظلم کرنے کا موقع سب سے زیادہ ملتا تھا جس طرح اس ٹیکس کے متعلق کارروائی ہوتی تھی اس سے صاف عیاں ہے کہ اکبر سے پیشتر کے بادشاہوں کے ساتھ رعایا نے ہمدردی کیوں نہ کی تاریخ فیروز شاہی کا مصنف لکھتا ہے کہ " جب شاہی محصل ہندوؤں کو جزیہ ادا کرنے کے لئے کہے تو ان کو بڑی عاجزی اور اطاعت سے ادا کرنا چاہئے اور اگر وہ عہدے داران کے منہ میں تھوکنا چاہے تو ان پر لازم ہے کہ چھوت چھات کا خیال نہ کریں اور اپنا منہ کھول دیں تا کہ ان کے منہ میں تھوکا جائے اس ذلت اور منہ میں تھوکنے کا مدعا یہ ہے کہ کافروں کی تابعداری ثابت ہو جو زیر حمایت رہتے ہیں۔ اسلام یعنی سچے دین کی عظمت بوڑھے اور جھوٹے مذہبوں کی تحقیر ظاہر ہو" اس بات کے ثابت کرنے کی کچھ ضرورت نہیں کہ جو سرکاری عہدے دار اس طریق پر عمل کرتے تھے وہ اسلام کی سچی تعلیم کے برعکس کرتے تھے کوئی ایسا مذہب نہیں جس کو اس کے سرگرم معتقدوں نے اپنی بے اعتدالی کی کارروائیوں سے نقصان نہ پہنچایا ہو۔ چنانچہ اسلام کو بھی ایسا ہی نقصان پہنچا ہے جیسا کہ اور مذاہب کو مذکورۂ بالا عبارت سے ثابت ہے کہ ایک معمول سے بڑھ کر مذہب بادشاہ کے کارندے بھی مفتوح قوم پر مذہب کے نام سے جس کی سچی تعلیم کو وہ اپنے اعمال سے خراب کرتے تھے کس قدر ظلم اور زیادتی کر کے رعایا کی بے حرمتی کر سکتے تھے۔

اکبر کو نہ صرف اس بات پر اعتراض تھا کہ اس ٹیکس کے وصول کرنے میں بہت

کچھ ظلم ہوتا ہے بلکہ وہ اس ٹیکس ہی کو معیوب سمجھتا تھا اس کو کافر کے لفظ سے ہی نفرت تھی۔ وہ ہمیشہ یہ کہا کرتا تھا ''کس کو یقین ہے کہ اس کا مذہب سچا ہے'' چونکہ تمام مذہبوں میں اچھی باتیں ہیں اس لئے کسی شخص کے دلی عقائد پر کوئی ٹیکس نہیں لگانا چاہئے اس واسطے اپنے عہد کے نویں سال میں کہ اس کی عمر 23 برس کی تھی۔ اور قابل یادداشت یہ ہے کہ فیضی اور ابوالفضل کی ملاقات سے تین برس پیشتر اس نے خود اپنی عقل کے مطابق جزیہ بند کرنے کا حکم جاری کر دیا اس دن سے اکبر کا یہ خیال ہو گیا کہ خدا کی درگاہ میں مذہب کے لحاظ سے ساری مخلوق یکساں ہے۔

اکبر کا ہندوؤں کے ساتھ سلوک صرف ان محصولوں کے بند کرنے تک ہی محدود نہیں رہا جو ان کے عقائد پر بہت گراں تھے بلکہ اس نے یہاں تک کوشش کی کہ جہاں تک ہو سکے حکومت کو ایک طرف رکھ کر وہ ساری قیدیں جو رعایا کی بہبودی اور خوشی میں ہارج ہیں دور کر دی جائیں۔ جو کچھ اس نے رسم ستی کے بارے میں کیا اس کا ذکر آچکا ہے اس سے ملتا جلتا دوسرا معاملہ بیوہ کی دوسری شادی کا تھا جہاں تک ہو سکا اس کی بھی اس نے بڑی امداد کی بلکہ اس نے ایسا حکم جاری کیا جس کی رو سے دوبارہ شادی جائز قرار دی گئی اسی خیال سے اس نے سن بلوغ سے پیشتر شادی کرنے کی ممانعت کر دی کیونکہ بچپن میں شادی کرنے کی رسم ہندوؤں میں بڑی پختہ ہو گئی تھی اور گو ان کے بڑے بڑے عالم اس رسم کے برخلاف ہیں مگر اس کا رواج ابھی تک جاری ہے اس نے قربانی کے لئے جانور ذبح کرنے اور پانی اور آگ کے ذریعے جرم ثابت کرنے کے طریقے کی ممانعت کی مسلمانوں کے ساتھ وہ بھی کچھ نرمی نہ کرتا تھا مگر کوئی حکم ان کی نسبت اس نے جاری نہیں کیا صرف مثال و ترغیب اور مخالفت کی حکمت عملی سے اس نے کام کیا۔

اکبر نماز روزہ زکوۃ اور حج کرنے کی افراط کو کم کرنا چاہتا تھا مگر اس نے کوئی حکم ان کی ممانعت کا نہیں دیا یہ باتیں ہر ایک شخص کی اپنی اپنی رائے پر منحصر ہوتی ہیں لیکن اکبر بخوبی جانتا تھا کہ اکثر حالتوں میں جو لوگ ظاہرا منہ سے بڑی بڑی باتیں بنایا کرتے ہیں۔ ان کے باطن میں مکاری ہوا کرتی ہے اور خوف ناک شکل اختیار کرنے اور لمبی

لمبی نمازیں پڑھنے کے علاوہ بھی کتنے ہی اور ایسے طریقے ہیں جن سے آدمی نیک بخت اور صالح ہو سکتا ہے ختنے کی رسم جو مسلمانوں میں ہے اس کی ممانعت تو ہو نہیں سکتی تھی مگر اکبر نے یہ حکم جاری کیا کہ جب تک لڑکے کی عمر 12 برس کی نہ ہو اس کا ختنہ نہ کیا جائے ہندوؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس نے جہاں تک ہو سکا گایوں کا ذبح ہونا کم کرا دیا۔ مگر قطع نظر اس کے اس نے یہ فتوے دے دیا کہ سور کا مارنا اور اس کا گوشت کھانا جائز ہے مسلمانوں کی رائے میں کتا پلید جانور ہے اور آج کل پکے مسلمان بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں اکبر نے اس کو پاک جانور قرار دیا شراب اہل اسلام کے ہاں حرام ہے اکبر نے تھوڑی سی شراب پی لینے کے رواج کو ترقی دی۔

اپنے عہد کے پچھلے ایام میں یعنی 1592ء میں اس نے اپنے دربار میں داڑھی منڈوانے کا دستور جاری کر دیا جس سے پکے مسلمان بڑے تنگ آئے ہندوستان جیسے گرم ملک میں داڑھی منڈوانے سے جو فائدے ہوتے ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں گو یہ حکم لازمی نہ تھا مگر اس پر عملدرآمد کرنے یا نہ کرنے سے شاہی دربار میں بڑے چرچے ہوتے تھے۔ جس قدر ایک پکے مسلمان کو داڑھی منڈھوانے سے نفرت ہے شاید ہی کسی اور چیز سے ہوگی اس زمانے میں بھی یہی حال تھا اور آج کل بھی ایسا ہی حال ہے مگر خود بادشاہ نے اپنی داڑھی منڈوا کر مثال قائم کی جس سے لوگ بہت کچھ طوطیاں طوفان اڑانے لگے۔ کر تو کیا سکتے تھے دل ہی دل میں سخت ناراض ہوئے۔

اکبر کی طبعی صفات میں سے ایک یہ بھی تھی کہ رشتے داروں کے ساتھ دلی الفت رکھتا تھا اس کا ایک کوکہ عزیز اس کو اکثر رنج پہنچایا کرتا تھا مگر اکبر اس کو بہت ہلکی سزا دیا کرتا اور کہا کرتا تھا کہ "میرے اور عزیز کے بیچ میں ایک دودھ کی ندی بہتی ہے جس کو میں عبور نہیں کر سکتا" اپنے تمام رشتہ داروں کے ساتھ برتاؤ کرنے میں اکبر اس خیال کو فراموش نہ کرتا تھا اگر وہ قابل اصلاح رہتے یا کسی کے خون میں اپنے ہاتھ نہ رنگتے۔ تو اکبر ہمیشہ نرمی اور فیاضی سے ان کو سمجھا کر اپنی طرف لانے کی کوشش کرتا تھا وہ معافی' بحالی اور اعتبار کو بہت پسند کرتا تھا اور اگرچہ بعض وقت اس شریفانہ برتاؤ سے وہ دھوکا

بھی کھا جاتا تھا۔ مگر آخر کار وہ کامیاب ہی ہوتا تھا وہ اپنے باپ کا سعادت مند فرزند تھا اپنی بیویوں کے ساتھ بڑی محبت کرتا تھا اور اولاد کے ساتھ تو اس کو بہت ہی محبت تھی۔

جو مصائب شاہی خاندان میں پیدا ہونے سے ہوا کرتی ہیں وہ اس کے لڑکوں کو بھی پیش آئیں ان میں سے ایک شاہزادہ دانیال بڑا ہونہار تھا۔ لیکن اس کے چاروں طرف بد چلنی کے سامان جمع تھے اس کے اتالیقوں نے اس کو نہ روکا جس کا ثمرہ یہ ہوا کہ یہ نوجوان ہی مر گیا شاہزادہ مراد کا بھی ایسا ہی حال ہوا کہ وہ بھی نامرادی دنیا سے گیا جہانگیر جو اکبر کے بعد تخت نشین ہوا اکثر باتوں میں اپنے باپ کے بالکل برعکس تھا جب اکبر کے عہد کا خاتمہ آن پہنچا تو اس نے اکبر کے بڑے عزیز دوست ابوالفضل کو مروا کر اپنے باپ کے جیتے جی حیات ہی میں تخت نشین ہونے کی کوشش کی اور اس وقت سے یہ خاندان مغلیہ کا دستور ہی ٹھہر گیا جس بے نظیر صبر اور تحمل سے اکبر نے اس نالائق بیٹے کے ساتھ سلوک کیا وہ بے مثل ہے اکبر بے رحمی سے سخت نفرت کرتا تھا وہ اپنے فرض کو پورا کرنا خدا کی عبادت کے برابر سمجھتا تھا۔

خواہ چھوٹا معاملہ ہو خواہ بڑا وہ اس بارے میں سب کو یکساں سمجھتا تھا اور صرف کسی خاص حکم کے جاری کر دینے پر ہی قناعت نہ کرتا بلکہ بڑے غور سے نگرانی کرتا تھا کہ اس کا عملدر آمد کس طرح ہوتا ہے اگر اس میں کامیابی ہوتی تو اسے اور وسیع کرتا اور بڑے خوص سے اس بات کو مدنظر رکھتا تھا کہ اس کا اثر رعایا کی مختلف قوموں پر کیسا ہوا ہے۔

وہ لوگوں کی نسبت جو رائے قائم کرتا تھا اس پر اسے پورا پورا یقین ہوتا تھا اس کی قیافہ شناسی کو سب تسلیم کرتے تھے ابوالفضل لکھتا ہے کہ ”بعض آدمیوں کو بادشاہ ایک نظر میں تاڑ جایا کرتے تھے“ بدایونی بھی اس دعوے کو تسلیم کرتا ہے اور جیسا کہ ہندوؤں کے متعلق تمام باتوں کو نظر حقارت سے دیکھنا تو اس کا دستور ہی تھا وہ کہتا ہے کہ اکبر کو یہ ملکہ ہندو جوگیوں سے حاصل ہوا تھا گو اکبر کے خیالات بڑے آزاد اور وسیع تھے مگر وہ توہمات سے مبرا نہ تھا وہ سعد و نحس ایام پر اعتقاد رکھتا تھا بلاک مین صاحب بیان کرتے ہیں کہ آتش پرستوں کے مذہب کی یہ ایک خاص بات ہے اور اس مذہب کی تعلیم سے یہ خیال اس کے دل میں جم گیا تھا اس کے امرا اور خصوصاً وہ امرا جو خفیہ طور پر اس کی نئی مذہبی

باتوں کے مخالف تھے اس کامیابی کو خوش قسمتی سے منسوب کرتے تھے بدایونی لکھتا ہے کہ "بادشاہ سلامت اپنی خوش قسمتی کے باعث تمام دشمنوں پر غالب آتے تھے" مگر اس کی کامیابی کی اصل وجہ یہ تھی کہ بادشاہ اور اس کے مشیر قواعد اور قوانین کی چھوٹی سی چھوٹی باتوں پر بھی بحث کرتے تھے اور خود بادشاہ ان کے عمل درآمد میں کامل توجہ کرتا تھا۔

اکبر کو شکار کا بہت شوق تھا لیکن جہانگیر کی پیدائش کے بعد اس نے جمعہ کے روز شکار کرنا چھوڑ دیا تھا اگر جہانگیر بادشاہ کی بات قابل اعتبار سمجھیں تو وہ کہتا ہے کہ اکبر نے اس بات کا اپنے دل میں عہد کر لیا تھا کہ اگر جہانگیر کی ماں صحیح وسلامت بچہ جنے تو میں ہمیشہ کے لئے جمعہ کے روز شکار نہ کیا کروں گا اور مرتے دم تک اس نے یہ قول پورا کیا اس بات کا ثبوت ہمارے پاس بکثرت ہے کہ اکبر کو صرف گانا سننے کا شوق ہی نہیں تھا بلکہ وہ خود بھی گایا کرتا تھا خوارزم کے قدیم راگ اس کو بہت پسند تھے اور ابوالفضل کہتا ہے کہ دوسو سے زیادہ گیت بادشاہ نے خود نکالے۔ جس سے بوڑھے اور جوان محظوظ ہوتے ہیں وہ یہ بھی کہتا ہے کہ بادشاہ علم موسیقی میں اس قدر مہارت رکھتے تھے کہ بڑے بڑے مشاق بھی نہ پہنچ سکتے تھے مشرقی بادشاہوں کو ہمیشہ سے راگ کا شوق رہا ہے اکبر کے دربار میں بھی ہر روز گانا بجانا رہتا تھا خدا تعالیٰ نے مادۂ ایجاد بھی اس کو بہت کچھ عنایت کیا تھا آئین اکبری میں لکھا ہے کہ اکبر نے ایک گاڑی ایجاد کی توپیں صاف کرنے کے لئے پہیہ بنایا اور ہاتھیوں کے ساز میں اور نیز اپنی فوج اور توپخانے کی وردیوں میں اصلاحیں کیں۔

اکبر بڑی سادی خوراک کھایا کرتا تھا اور رات دن میں صرف ایک دفعہ پوری خوراک کھالیا کرتا تھا گوشت سے اس کو نفرت تھی کئی کئی مہینوں تک اس کو چھوا بھی نہ کرتا تھا میوہ جات کا اسے خاص کر شوق تھا اور ان کی پیداوار کی طرف اس نے خاص توجہ کی ابوالفضل لکھتا ہے کہ "بادشاہ میوہ جات کو قادر مطلق کی بڑی برکتوں میں سے سمجھتا تھا" ایران اور توران سے باغبان بلوا کر اس نے آگرے اور فتح پوری سیکری میں بسائے ۔خربوزے اور انگور اعلیٰ قسم کے بہت ہونے لگے اور تربوز' آڑو' بادام' پستہ' انار وغیرہ ہر جگہ ملتے تھے۔ ابوالفضل یہ بھی لکھتا ہے کہ کابل' قندھار' کشمیر' بدخشاں اور سمرقند سے بھی

میوے بکثرت منگوائے جاتے تھے آئین اکبری میں ان کی ایک بڑی لمبی فہرست ہے
جس کو تمام ناظرین جو ہندوستان سے واقف ہیں پڑھ کر بڑے خوش ہوتے ہیں ان
ایام میں بھی ہندوستان کے لذیذ میووں میں سے آم کو سب سے اچھا سمجھتے تھے
ابوالفضل لکھتا ہے کہ یہ میوہ رنگ، خوشبو اور ذائقے میں بے نظیر ہے اور توران اور ایران
کے بعض شوقین کھانے والے اس کو سردے اور انگوروں سے بھی اچھا سمجھتے ہیں۔

اب ہم اکبر کی روزمرہ کی عادات کا مختصر ذکر کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ آگرے
یا فتح پور سیکری میں رہ کر وہ عموماً کس طرح اپنا دن گزارتا تھا شام کو جو گفتگو اور مباحثے
شروع ہوا کرتے تھے۔ انہی میں صبح ہو جایا کرتی تھی ابوالفضل لکھتا ہے کہ رات کے
تین پہر تو اس قسم کی باتوں میں گزر جاتے ہیں اور جب ایک پہر رات رہ جاتی ہے تو
گانے بجانے والوں کی باری آتی ہے جب دن نکلتا ہے تو بادشاہ اپنے خاص کمروں
میں چلا جاتا ہے غسل کرتا ہے کپڑے بدلتا ہے اور تقریباً ایک گھنٹے بعد اپنے درباریوں
کا سلام لینے کے لئے آ موجود ہوتا ہے پھر دن کا کام شروع ہو جاتا ہے اکثر دوپہر
بہت پہلے ہی یہ کام ختم ہو جاتا ہے اور کھانا چنا جاتا ہے گو اس کے لئے کوئی وقت مقرر
نہیں اور بادشاہ دن رات میں صرف ایک وقت ہی کھایا کرتا ہے سہ پہر کا وقت نیند
کے لئے مخصوص ہے بعضے وقت اکبر علی الصباح شکار وغیرہ میں مصروف ہو جاتا ہے اور
بعضے وقت پہلی رات چوگان یعنی پولو کھیلتا ہے جس میں پلاس کی لکڑی کی گیندیں
استعمال کی جاتی ہیں دن کا گرم وقت آرام اور تفریح کے لئے ہے۔

ابھی اکبر کو تخت پر بیٹھے بہت دن نہ ہوئے تھے کہ بات اس کے خیال میں آ گئی کہ
راجپوتانے کے ہندو راجاؤں کو اپنے تخت سے کسی ایسے تعلق سے وابستہ کرنا ضرور ہے
جو دوستی کے درجے سے بڑھ کر ہو راجپوتانے کے عالی خاندانوں کے اکثر راجا اپنی
لڑکیوں کی شادی مسلمانوں کے ساتھ کرنے میں بڑی ذلت سمجھتے تھے جس تدبیر سے
اکبر نے ان کے یہ خیالات رفع کیے وہ نہایت دلچسپ ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا باپ
ہمایوں اس کے واسطے راستے نکال گیا تھا کرنیل ٹاڈ صاحب اپنی عالمانہ اور دلچسپ

تصنیف تاریخ راجستان میں بیان کرتے ہیں کہ ابتدائی عملداری میں ہمایوں کس طرح
چتوڑ کی راج کماری کورناوتی کا دھرم بھائی بن گیا اور اس نے اس کی خدمت کرنے کا
وعدہ کرلیا تھا اور یہ خدمت اس نے بڑی وفاداری سے کی ہمیشہ اس کو اپنی عزیز اور نیک
بخت بہن کہہ کر مخاطب ہوتا تھا۔ راجہ بہاری مل والئے آمیر سے بھی اس نے بڑا
دوستانہ کرلیا تھا یہ بھگوانداس اس کا باپ تھا جس کا ذکر اس کتاب میں اکثر جگہ آیا ہے۔
بعد ازاں اکبر نے اس کی لڑکی سے شادی کی اور جب آمیر یعنی جے پور کے
خاندان کے ساتھ رشتہ داری ہوگئی تو اکبر بھگوانداس اور اس کے بھتیجے اور متبنے لڑکے
مان سنگھ کو جو اس کے بڑے سپہ سالاروں میں سے تھا اپنا بڑا اپ کا دوست سمجھنے لگا تھا
کرنیل ٹاڈ صاحب ایک دوسرے موقعہ پر بھگوانداس کی نسبت یوں لکھتے ہیں کہ "وہ
اکبر کا دوست تھا اور بادشاہ ایسے آدمیوں کو اپنے دربار میں بڑی قدر سے رکھتا تھا"
یہ صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ چونکہ بھگوانداس نے سب سے پہلے مسلمانوں کے ہاں
ناطہ کر لینے سے راجپوتوں کے نام کو دھبا لگایا اس واسطے اس کے نام سے نفرت کی
جاتی ہے اور بے شک راجپوتانے کے راجاؤں کے خیالات کی تہ تک جیسا یہ
صاحب پہنچتے ہیں ایسا کسی اور کو موقع نہیں ملا انگریزی مثل ہے کہ تعصب ہمیشہ زور
آور ہوتا ہے اور ذات کا تعصب اس کے سب قسموں سے زیادہ مضبوط ہے۔
بھگوانداس اور اس کے بھتیجے سے بڑھ کر راجپوتانے میں کوئی بڑا وسیع خیال
راجہ پیدا نہیں ہوا ہے اکبر کے ساتھ ان کے گہرے تعلق کے طفیل ہی راجپوتوں نے
مغلوں کی ماتحتی قبول کی ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ شہزادہ سلیم کی شادی بھگوانداس کی
لڑکی سے ہوئی جس سے آپس کا اتحاد زیادہ مضبوط ہوگیا کرنیل ٹاڈ صاحب جن کی
راجپوتوں کے ساتھ ہمدردی ضرب المثل ہے اس بادشاہ کی نسبت یوں لکھتے ہیں
جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اکبر کے طرز حکومت کا اثر اس جنگ جو قوم پر کیا ہوا تھا۔
ٹاڈ صاحب لکھتے ہیں کہ "اکبر سلطنت مغلیہ کا حقیقی بانی تھا اور آزاد راجپوتوں کو پہلے
پہل اسی نے سر کیا اس کام میں اکبر کو اپنی نیک صفات سے بڑی مدد ملی پرلے درجے کا

قیافہ شناس تھا اور اوروں کی حوصلہ افزائی کر کے ان سے کام لینا خوب جانتا تھا اور اس طرح گویا اکبر نے راجپوتوں کے پاؤں میں سونے کی زنجیریں ڈال دیں جن سے وہ رفتہ رفتہ اس ماتحتی کے عادی ہو گئے خصوصاً جب بادشاہ اپنے اختیارات سے ایسی باتیں کرنے لگا جن سے راجپوت قوم پھول جایا کرتی ہے بلکہ یہاں تک کہ ان کی ادنیٰ درجے کی خواہشیں پوری ہونے لگیں اکبر کی ساری حکمت عملی کی بنیاد اس بڑے اصول پر تھی کہ اتفاق پیدا کرنے کے لئے ملک کو فتح کرنا چاہئے اس کے اصول کو کرنیل ٹاڈ صاحب نہیں سمجھتے اور اکبر کو بھی پرانے افغان اور پٹھان بادشاہوں کی طرح سمجھ کر فتوحات کا الزام اس پر لگا دیا مگر خود کرنیل ٹاڈ صاحب کو مجبوراً یہ کہنا پڑا کہ ''جو زخم اکبر کی عالی خواہشوں سے لگے تھے اس نے وہ آخر کار بھر دیئے اور خدا کے لاکھوں بندوں نے اس کی اس قدر تعریف کی کہ اس کی قوم کے اور کسی بادشاہ کو نصیب نہیں ہوئی'' اگر بادشاہت کا پہلا مدعا یہ ہے کہ لاکھوں بندگان خدا کو خوش حال کیا جائے اور اگر اس مدعا کے پورا کرنے کے لئے فتح کے ذریعے اتفاق کو مضبوط کرنا پڑے تو یہ کہنا کچھ ضروری نہیں کہ اس مدعا کے لحاظ سے یہ وسائل جائز قرار پاتے ہیں اکبر نے اس نیت سے راجپوتانہ فتح نہیں کیا تھا کہ اس میں خود حکومت کرے بلکہ اس واسطے فتح کیا تھا کہ راجپوت راجاؤں کو اپنی اپنی ریاستوں میں حکومت کے ساتھ ہی وہ امن اور فارغ البالی نصیب ہو جو اس کی افسری میں کل سلطنت کو نصیب ہوئی تھی اور افسری بھی وہ جس میں زبردستی کا نام تک نہیں۔

جودھپور کا راجہ اودے سنگھ اس زمانے میں سب سے بڑا طاقتور راجپوت راجا تھا اکبر نے اپنے لڑکے سلیم کی شادی اس کی لڑکی سے کی اس راج کماری کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو شاہجہاں کے لقب سے اپنے باپ کے تخت پر بیٹھا اس کی رگوں میں آ کر راجپوتی خون کو وہ عروج پہنچا کہ کبھی ہندوستان میں اس سے پیشتر نہ پہنچا تھا اس شادی کا نتیجہ بہت عمدہ ہوا مگر کرنیل ٹاڈ صاحب لکھتے ہیں کہ اکبر نے اس ناطے کے لئے رشوت میں چار صوبے دیئے تھے جس سے مارواڑ یعنی جودھپور کی آمدنی دوگنی ہو گئی یہ لکھتے ہیں کہ ''امیر اور مارواڑ کی مثالیں دیکھ کر راجستان کے چھوٹے راجا جو

ایسے لالچ سے بچنے کے لئے کم طاقت رکھتے تھے بے شمار اور بہادر پیروؤں کے ساتھ دہلی کے صوبے بن گئے اور اس طرح ان میں سے کئی کی قدر و منزلت بڑھ گئی حکومت مغلیہ کے مورخ نے ان کو ''ارکان وزینت تخت لکھا ہے'' اور واقعی سچ ہے۔

یہ مصنف راجپوتوں کا پورا پورا ہمدرد ہوا اس لئے اکبر نے جو سلوک راجپوتانہ اور اس کے راجاؤں کے ساتھ کیا اس کی تائید میں ٹاڈ صاحب کے بیان سے بڑھ کر اور کوئی شہادت نہیں ہوسکتی ہم شاہی شادیوں کا ذکر تو کر ہی رہے ہیں۔ یہ بھی کہے دیتے ہیں کہ اکبر کی بہت سی بیویاں تھیں مگر ان میں سے آٹھ کا تو پختہ ذکر آیا اس کی پہلی بیوی اس کے چچا ہندال مرزا کی لڑکی تھی اس سے کوئی اولاد نہیں ہوئی یہ اکبر کے بعد بھی زندہ رہی اور 84 برس کی عمر میں فوت ہوئی۔ اس کے دوسری بیوی بابر کی ایک نواسی تھی اور مرزا نورالدین محمد کی بیٹی تھی یہ بیگم شاعرہ تھی اس کی تیسری بیوی راجہ بہاری مل کی بیٹی راجہ بھگوانداس کی بہن تھی اس کی شادی 1560ء میں ہوئی چوتھی بیوی حسن و جمال میں مشہور تھی پہلے اس کی شادی عبدالواسع کے ساتھ ہوئی تھی پانچویں بیوی جودھپور کی راج کماری جودھ بائی تھی جس سے جہانگیر پیدا ہوا ولی عہد کی والدہ ہونے کے سبب سے اس کا درجہ سب بیگمات سے بڑھ کر تھا چھٹی ساتویں اور آٹھویں بیویاں مسلمان تھیں۔

ملک کے اندرونی انتظام میں سے اکبر نے معاملہ وصول کرنے کے طریقے کی طرف خاص توجہ کی شیر شاہ جس نے اس کے باپ کو شکست دے کر نکال دیا تھا اس کا جاری کیا ہوا ایک طریق ابھی تک مروج تھا مفصلہ ذیل اصول پر اس کی بنیاد تھی 1- درستی سے زمین کی پیمائش کرانی۔ 2- زمین کے خاص قطعے کی اوسطاً فی بیگھ پیداوار معلوم کرنی۔ 3- یہ مقرر کرنا کہ پیداوار میں کون سا حصہ سرکار کو دیا جائے۔ 4- پیداوار معینہ کی قیمت مقرر کرنا اکبر کا یہ ارادہ تھا کہ اس اصول میں ہرج نہ واقع ہونے دے بلکہ اس کی ترقی کے لئے کوشش کرے اس خیال سے اس نے سارے ملک میں ایک پیمانہ قائم کر دیا کیونکہ اس سے پیشتر کئی مختلف پیمانے ملک میں جاری تھے۔

آئین اکبری میں ذکر آیا ہے کہ اس قابل تعریف قاعدے سے ایک تو امینوں کے دل

سے سارے شک اور شبہے دور ہو گئے اور رعایا پر جو کئی قسم کے ظلم ہوا کرتے تھے ان سے ان کی مخلصی ہوئی سرکاری آمدنی بڑھ گئی اور سلطنت سرسبز ہو گئی اکبر نے پیمائش کے عمدہ عمدہ آلات جاری کئے اور سلطنت بھر میں جتنی قابل زراعت زمینیں تھیں ان سب کا ان آلات کے ذریعے ایک نیا بندوبست کرایا آئین اکبری میں لکھا ہے کہ یہ بادشاہ فی بیگھ 10 سیر اناج نذرانہ لیا کرتا تھا آخری عہد میں اناج کی بجائے نقدی مقرر ہو گئی تھی ہر ایک ضلعے میں اس نے گودام بنوائے جہاں سے سرکاری جانوروں کو خوراک ملتی تھی کاشتکاروں کو کھیتی کے لئے بیج ملتا تھا اور غربا کو روٹی تقسیم ہوتی تھی اگر ملک میں قحط پڑ جاتا تو جو اناج یہاں جمع ہوتا تھا وہ کام میں آتا تھا بڑے منتخب اور معتبر اشخاص ان گوداموں کے افسر ہوا کرتے تھے۔

ابتدائی عملداری میں پیداوار کے لحاظ سے زمین کی تین قسمیں کی گئی تھیں اور ایک ایک قسم سے ایک ایک بیگھ لے کر ان تینوں کی پیداوار کی جو اوسط ہوتی تھی اسی پر سرکاری لگان مقرر کیا جاتا تھا اگر کاشتکار کو اس اوسط پر کوئی شکایت ہوتی تو اس کو اختیار تھا کہ اپنی فصل کی قیمت مقرر کروالے۔ تاکہ جس قدر کسی قطعہ اراضی کی حیثیت ہو اور جس قدر وہ آفات ارضی وسماوی مثلاً طوفان وغیرہ سے محفوظ ہو اسی قدر یکساں نسبت سے اس پر زرلگان لگایا جائے زمین کی پانچ قسمیں کی گئی تھیں اور اس کی مختلف قسموں میں تمیز کرنے کے لئے دیگر قواعد بڑی احتیاط سے منضبط کئے گئے تھے ان سب کا مدعا یہی تھا کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو نہ مزارعہ کی نہ سرکار کی۔

جیسا کہ ہم پیشتر ظاہر کر چکے ہیں جوں جوں سلطنت مستحکم ہوتی گئی سرکاری معاملہ مقرر کرنے کے واسطے رفتہ رفتہ ایک عمدہ اصول رواج پاتا گیا اس غرض سے نمبرداروں سے 19 برس پیشتر کے نرخ طلب کئے گئے اور ان کی اوسط نکالی گئی اور پیداوار کی قیمت مروجہ نرخوں کے حساب سے مقرر کی گئی اول اول یہ بندوبست سالانہ تھے مگر چونکہ ہر سال نئے نرخ ہونے سے دقتیں پیش آنے لگیں اس لئے گزشتہ دس سال کی اوسط پر دس سال کے لئے بندوبست کیا گیا۔

اس صیغۂ زراعت کی تکمیل کے لئے اکبر نے زرلگان کے لحاظ سے ملک کی ایک نئی تقسیم کی اس تجویز کے مطابق ملک کے کئی قطعے کئے گئے اور ہر ایک تعلقے سے ایک

کروڑ دام یعنی پچیس ہزار روپے لگان کے آ گے تھے ایسے ایک قطعے کے حاکم کو کروڑی کہتے تھے۔ ہر ایک کروڑی کو حکم تھا کہ جب دو لاکھ دام[1] جمع کر لے تو روپیہ صدر مقام میں بھیج کر خزانہ شاہی میں داخل کرے۔ کچھ عرصے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ یہ بے قاعدہ تقسیم جس کی بنا صرف ایک حسابی مسئلے پر تھی بے انتظامی کا باعث ہے اور قدیم طریقے جو ہندوؤں کو بہت پسند تھے اس سے قائم نہیں رہے کچھ عرصے آزمائش کے بعد یہ مصنوعی تقسیم ترک کی گئی اور لوگوں کا وہی قدیمی طریقہ جاری کیا گیا جس میں زمین کی تقسیم ملک کی حالت طبعی اور صورت دیہی کے مطابق کی جاتی تھی۔

معاملہ سرکاری کے اجارہ دینے سے رعایا پر ظلم ہوتا تھا اس لئے اکبر اس کے سخت مخالف تھا اس نے ہر ایک کاردار کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ جہاں تک ہو سکے خود کاشتکاروں سے مطلب رکھنا چاہئے اور نمبردار کا اس میں کچھ دخل نہ ہو یہ بات نئی تھی گو اکبر نے نیک نیتی ہی سے جاری کی تھی مگر ہر ایک حالت میں اس پر عملدرآمد نہ ہو سکا ہندوستان میں رواج سب سے بڑا قانون خیال کیا جاتا ہے اور اس کے مطابق یہ ضروری امر ہے کہ گاؤں کے نمبردار کے رعب کا لحاظ کیا جائے اس لئے عملی طور پر یہ لازم آیا کہ اس کے ساتھ تعلق رکھا جائے اور کم از کم اس کی شمولیت لازمی سمجھی جائے۔

جب شہنشاہ اکبر نے اراضی کے عطیات کے حالات پر غور کیا تو اس کو معلوم ہوا کہ نہ صرف پہلے بادشاہوں نے مناسب کاموں کے لئے زمینیں دے رکھی تھیں بلکہ اس کے اپنے اعلیٰ عہدے داروں پر کئی قسم کی رشوت ستانی اور عیب کے الزام عائد ہوتے ہیں جب فیضی اس کے ساتھ لشکر میں ملا اور بادشاہ کی طبیعت پر بڑا حاوی ہو گیا تو اس کی تھوڑی مدت بعد یہ بے ضابطگیاں بادشاہ کے علم میں آئیں۔ بڑی حیرانی بادشاہ کو اس بات سے ہوئی کہ ان بے ضابطگیوں کے کرنے والے وہی شخص نکلے جو بے لوث ہونے کے بڑے بڑے دعوے کرتے تھے اس کے بعد فوراً ہی یہ اشخاص تحقیر کے ساتھ مکہ کی طرف جلاوطن کر دیئے گئے اور محکمے کی پوری پوری تحقیقات ہوئی بادشاہ کی طرف سے چار قسم کے لوگوں

---

[1] ۔ دو لاکھ دام پانچ ہزار روپے کے برابر ہیں۔ دام ایک تانبے کا سکہ تھا۔ جو روپے کے چالیسویں حصے کے برابر تھا۔ آج کل کی دمڑی دام کا آٹھواں حصہ ہے۔

کی مدد کو مناسب سمجھا گیا تھا۔ اول قسم میں وہ لوگ شامل تھے جو اپنا سارا وقت لٹریچر اور علم میں صرف کرتے تھے اور جن کی کوئی ذریعہ معاش نہ تھی اس لئے یہ مناسب معلوم ہوا کہ ایسے لوگوں کو اپنے مصارف ضروری کے لئے دردسری نہ کرنی پڑے۔

دوسری قسم میں ایسے لوگوں موجود تھے جو نفس کشی کرتے ہیں اور اسی میں عمر گزار دیتے ہیں اور طبعیت انسانی کے خود غرض جذبات کی مخالفت میں انسان کی صحبت کو ترک کر بیٹھتے ہیں تیسرے کمزور مفلس لوگ جو محنت مزدوری نہیں کر سکتے چوتھے وہ شریف خاندان کے معزز اشخاص جو علم نہ جاننے کے باعث اس قابل نہیں کہ کوئی پیشہ اختیار کر کے اپنا پیٹ بھریں۔

ایسے سائلوں کے حالات کی تحقیقات کے لئے ایک نیک نیت تجربہ کار افسر مقرر تھا اس کو صدر کا خطاب ملا ہوا تھا اور اس کا رتبہ قاضی اور حاکموں سے بڑھ کر تھا جب فیضی کی تجویز کے مطابق تحقیقات ہوئی تو یہ ظاہر ہوا کہ یہ سارے کا سارا محکمہ صدر سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے قاضی تک رشوت خوار ہے اکبر نے سارے عملے کو صاف کیا ان کی جگہ ایک اور ہی قسم کے آدمی مقرر کئے اور سخت قواعد بنا کر ان کے اختیارات محدود کئے۔

بادشاہ کو ضرورت پڑا کرتی ہے کہ اعلیٰ خدمات کے لئے انعام دئے جائیں اس لئے جن لوگوں نے بڑی بڑی خدمات کی تھیں ان کے واسطے اکبر کو بڑی بڑی زمینیں عطا کرنی پڑیں۔ اس طرح منصب داروں یعنی اعلیٰ فوجی عہدہ داروں کو بجائے نقد تنخواہ کے عارضی طور پر زمینیں عطا کی گئیں اکبر کو معلوم ہوا کہ شیر شاہ جس نے اس کے باپ ہمایوں کو ہندوستان سے نکالا تھا اور اسکے قریبی متقدمین میں سب سے بڑا طاقتور تھا اپنے رفیقوں کو جو اکثر افغان تھے بڑے فضول طور پر زمینیں دے گیا ہے اکبر نے ان عطیات کے حالات کی پڑتال کی اور کتنی ہی زمینیں واپس لے کر اپنے جاں نثاروں کو بخش دیں۔

اس بارے میں اکبر نے پہلے بادشاہوں کی پیروی کی اس نظیر پر چلنے کے علاوہ بھی اس کے پاس وجوہات تھیں۔ اس نے دیکھا کہ وہ زمین جو قابض کو از روئے فرمان عطا ہوئی بہت کم صورتوں میں اس رقبے کے ساتھ ملتی تھی جس پر اس کا فی الواقع قبضہ تھا۔ بعض وقت ایسا ہوتا تھا کہ فرمان کی عبارت اس قدر مشتبہ ہوتی تھی کہ قابض کا اختیار ہوتا

تھا کہ قاضیوں اور صوبے کے صدر کو رشوت دے کر جس قدر زمین پر ہو سکے قبضہ کر لے اس لئے انصاف اور سلطنت اور رعایا کی بہتری کے لحاظ سے اکبر کو پورا پورا حق تھا کہ جو کچھ تحقیقات مناسب کے بعد فضول نظر آئے اس کو واپس کر لے اکبر نے یہ بھی دریافت کیا کہ علما جن سے وہ بدل نفرت کرتا تھا اس کے سن بلوغ سے پہلے اور فیضی کے خبردار کرنے سے پیشتر خوب ہاتھ رنگتے رہے ہیں اس لئے اس نے ان کے حقوق کے متعلق بڑی سخت پڑتال کی جہاں کہیں ان کا قصور معلوم ہوا یا ان کی بد دیانتی کی کافی وجہ ملی ان کے عطیات کو منسوخ کر کے ان کو بھکر کی طرف جو صوبہ سندھ میں ہے یا بنگال کی طرف جلاوطن کر دیا کیونکہ ان مقامات کی آب وہوا ان دنوں خراب سمجھی جاتی تھی اس اصلاح کے زمانے میں اکبر نے صدر کے اختیارات بہت کم کر دیئے اور بہت سے اختیارات جو پہلے اس کو ملے ہوئے تھے خود لے لئے۔

اکبر نے ملکی انتظام میں جو اصلاحیں کیں ان کی نسبت نامور مورخ الفنسٹن (Elphinstone) کی یہ رائے ہے کہ ''گو موجودہ نسل کی آسودہ حال کی زیادہ امید ہوگئی تھی مگر اس میں کوئی سلسلہ وار اصلاح کا اصول شامل نہ تھا اور دیہاتی لوگوں کے لئے کچھ بہتری کی امید اس میں نہ تھی کیونکہ نہ تو اور کاموں کے واسطے ان کے لئے راستے کھلے تھے اور نہ وہ محنت کر کے اپنے ہی پیشے میں ترقی کر سکتے تھے'' میں بڑے ادب اور عاجزی سے اس رائے کی مخالفت کرتا ہوں کیونکہ اس بات کو سب مانتے ہیں کہ اکبر نے اپنے زمانے کی خلق خدا کو زیادہ خوشحال کر دیا تھا اگر وہ الفنسٹن صاحب کی رائے پر عمل کرتا تو وہ اصول جس پر اس زمانے کی ہندو سوسائٹی قائم تھی جاتا رہتا۔ جب اکبر نے نمبرداروں کو چھوڑ کر براہ راست کاشتکاروں کے ساتھ انتظام کرنے کی کوشش کی تو اس سے یہاں تک ناراضگی پھیلی کہ جس سے فساد کا اندیشہ ہو گیا خیر یہ ہوئی کہ عین وقت پر اسے پتہ لگ گیا کہ اس ملک میں رواج قانون کا ہمایہ ہے اس لئے بڑی احتیاط سے رواج کے متعلق برتاؤ کرنا چاہیے فوراً اس نے اپنا یہ حکم منسوخ کر دیا۔

مال گزاری اراضی سلطنت کی آمدنی اور اخراجات اور ضرب شاہی کے متعلق تمام امور

میں اکبر کا بڑا مشیر راجہ ٹوڈرمل تھا جس کا ذکر پچھلے باب میں آچکا ہے یہ بڑا صاحب لیاقت اور دیانت دار تھا ایک مسلمان بادشاہ کے دربار میں رہ کر بھی یہ سچا ہندو بنا رہا۔ اور اپنی تمام مذہبی رسوم کو پورے پورے طور پر ادا کیا کرتا تھا ایک دفعہ ایسا ہوا کہ اکبر کے ساتھ پنجاب گیا۔ اور جلدی میں اپنے ٹھاکر ساتھ لے جانے بھول گیا چونکہ ہر روز وہ پوجا کرنے سے پہلے کچھ کام نہ کیا کرتا تھا اس لئے کئی دن نہ کھایا نہ پیا آخر کار شہنشاہ نے بڑی مشکل سے اس کو پرچایا۔

سواروں کے رسالے فوج کے جزو اعظم سمجھے جاتے تھے اور جب جنگ کے لئے صف بندی ہوتی تھی تو ہاتھی اس میں ضرور ہوا کرتے تھے قاعدہ یہ تھا کہ جہاں ہاتھی موجود ہوتے تھے وہاں سمجھا جاتا تھا کہ خود شہنشاہ بھی موجود ہے کیونکہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ ہاتھیوں کے بغیر بادشاہ آ ہی نہیں سکتا اس عام خیال کی وجہ سے بادشاہ کے بہت بڑے مخالف نے دھوکا کھایا تھا جو بادشاہ کے حق میں فائدہ مند ہو گیا اس کا ذکر پہلے باب میں آچکا ہے۔

بندھیاچل پہاڑ کے شمالی علاقے کو بادشاہ نے بارہ صوبوں پر منقسم کیا تھا اور ہر ایک صوبے پر ایک نائب السلطنت مقرر تھا جو صرف بادشاہ کے ماتحت ہوتا تھا یہ جب تک نیک چلن رہتا اس عہدے پر مامور رہتا۔ اور اس کا یہ فرض تھا کہ تمام امور میں اپنے آقا کی ہدایتوں پر پورا پورا عمل کرے اس کے ماتحت مقامی جنگی افسر ہوا کرتے تھے جن کو فوجدار کہتے تھے اور ہر ایک فوجدار پولیس اور فوج کا افسر ہوتا تھا فوجداروں کا فرض تھا کہ اپنے اپنے علاقوں میں امن قائم رکھیں جنگی عملے کی نگرانی کریں۔ افواج شاہی کو زیر کمان رکھیں اور عموماً فسادوں کو فرو کریں۔

اکبر سے پہلے جو افغان بادشاہوں نے انصاف کا طریقہ جاری کیا تھا اس نے بھی وہی قائم رکھا کل قانون کی بنا قرآن شریف پر تھی لیکن احکام شرع اکثر تصفیۂ مقدمات کی نظائر کے مطابق تبدیل ہو جایا کرتے تھے جہاں کہیں قانون کا میلان سختی کی طرف ہوتا وہاں بادشاہ یا اس کے مشیروں کی ہدایات کے موافق تغیر و تبدل کیا جاتا ان احکام میں بڑی خصوصیت یہ تھی کہ انصاف کے ساتھ رحم ملانا چاہئے اعلیٰ افسروں کو یہ سخت تاکید تھی کہ جہاں تک ہو سکے پھانسی کی سزا کم دیں چنانچہ گجرات کے صوبے دار کے نام ایک

پروانہ اس مضمون کا جاری کیا گیا تھا کہ خوفناک بغاوت کے سوا تاوقتیکہ بادشاہ کے حضور سے تمہاری تجویز منظور نہ ہو جایا کرے کسی صورت میں خود پھانسی کا حکم ہرگز نہ دو۔

بندھیا چل کے جنوب کی طرف کا شاہی علاقہ جس کو دکن کہتے ہیں اصل میں تین صوبوں پر منقسم تھا بعد ازاں جب نئے صوبجات اور اضلاع فتح کئے گئے تو وہاں کے صوبوں کی تعداد چھ ہوگئی اکبر کے مرنے کے بعد ان سب پر ایک صوبیدار مقرر رہوا۔ جس کے جانشین آج تک نظام کہلاتے ہیں مگر اس کے تحت ایک دیوان رہتا تھا جس کے سپرد صیغۂ مال کا انتظام تھا۔

اکبر بڑا عظیم الشان بادشاہ تھا گو اس کی عادتیں سیدھی سادی تھیں مگر وہ اتنی بات سے واقف تھا کہ ایک ایشیائی قوم پر حکومت کرنے میں ظاہری کروفر بہت کچھ اثر رکھتا ہے چنانچہ ہندوستان کے تمام گورنر جنرلوں میں سب سے بڑے نامی وائسرائے صاحب نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے یہ ضروری ہے کہ شاہی شان وشوکت سے لوگوں پر اثر پیدا ہوتا کہ رعایا حکومت کی عظمت کو دیکھ سکے اور جس شخص کا سرہلانا حکومت کی نشانی ہے اس کے جاہ وجلال کو دیکھیں جس کو وہ اس زمین پر خدا کا نائب سمجھتے ہیں یہ نرا خیال ہی نہیں اس زمانے میں بھی جو کلمات ہندوستانیوں کے زباں زد ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خیال کس قدر ان کے دماغ میں سمایا ہوا ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ بادشاہ سلامت جن کو ہر طرح پورے پورے اختیار ہیں خدا کی جگہ پر جلوس فرما ہیں اس کی صرف زبان ہلانے میں ہی ان کی بہتری یا نقصان' خوشی یا دکھ ہے اس لئے وہ اس بات کے امیدوار رہتے ہیں کہ تقریبوں کے موقعوں پر اس بااختیار شخص کے جلوس میں تمام شاہی علامات ظاہر ہوں۔ اور اس کے اردگرد وہ شان وشوکت اور دھوم دھام ہو جس سے بادشاہت ٹپکتی ہو اکبر اس بات کو بخوبی سمجھتا تھا اور ایسا ہی کرتا تھا۔

اکبر کے جلسوں کی شان وشوکت اور جاہ وجلال کا نقشہ دل میں جمانے کے لئے ہم صرف آئین اکبری کے مصنف کی تحریر کے محتاج نہیں۔ اور دیسی مورخین بھی لکھتے ہیں کہ اس کی سرکار میں پانچ ہزار ہاتھی بارہ ہزار خاصے کے گھوڑے تھے اور فردوگاہ کے سامان میں

عالیشان خیمے اور عام جلسوں کے واسطے شامیانے ضیافتوں کے لئے الگ کمرے ورزش کے لئے الگ مقام اور آرام گاہ بنی ہوئی تھیں۔ یہ سب سامان بڑے قیمتی کپڑے کا بنا ہوا ہوتا تھا اور نہایت ہی خوش رنگ اور بوقلمو کہتے ہیں کہ جب کسی خاص تقریب کا موقعہ ہوتا تو بادشاہ ایک نہایت بیش قیمت خیمے میں بیٹھتا خیمے کے پردے اُٹھا دیئے جاتے اس کے چاروں طرف کم از کم دو ایکڑ زمین پر نہایت نرم قالین بچھائے جاتے اور امراآ کر مجرا کرتے امرا کے ڈیرے بادشاہ کے خیمے سے تو کم درجے کے ہوتے تھے لیکن وہ بھی بہت قیمتی ہوا کرتے تھے پھر عوام کے روبرو بادشاہ تلا پر چڑھتے۔ مختلف اشیاء کے ساتھ تولے جاتے جو محتاجوں کو بانٹ دی جاتی تھی بادشاہ سلامت کی عمر جتنے برس کی ہوتی اتنی ہی بھیڑ' بکریاں اور مرغ ان جانوروں کے پالنے والوں کو دیئے جاتے کتنے ہی چھوٹے چھوٹے جانور چھوڑ دیئے جاتے باشاہ خود اپنے ہاتھ سے بادام' کشمش وغیرہ اپنے درباریوں کو تقسیم کرتے۔

جب کوئی بڑا تہوار ہوتا تو بادشاہ تخت پر بیٹھتا تھا اور ہیروں کی چمک سے اس پر نظر نہ ٹکتی تھی اور بڑے بڑے امرا زرق برق لباس زیب تن کئے اس کے چاروں طرف ہوتے تھے پھر فوج کا ملاحظہ ہوتا تھا ہاتھیوں کے مستکوں اور پٹھوں پر فولادی توے لگے ہوتے تھے جس میں لعل و جواہر جڑے ہوتے تھے خاصے کے گھوڑے بڑے شاندار ساز و سامان سے آراستہ' گینڈے' شیر ببر' شیر' بگیلے' شکاری چیتے' شکاری کتے' باز سب باری باری سے بادشاہ کے آگے سے گزرتے تھے اور جلوس کے آخر میں شاندار وردیاں پہنے ہوئے رسالہ ہوتا تھا یہ کوئی خیالی تصویر نہیں ہے جہانگیر کے عہد میں ہاکنز (Hawkins) رو (Roe) اور ٹیری (Terry) صاحبان نے یہ حالات اپنی آنکھ سے دیکھے ہیں اور ان نامور سیاحوں نے اس نظارے کی شان و شوکت کو بڑے رنگین طور سے بیان کیا ہے۔

بڑے بڑے جلسوں کے دن یہ نظارے دیکھنے میں آتے تھے روز مرہ تو اکبر سیدھا سادہ سچا سرگرم و پر جوش آدمی معلوم ہوا کرتا تھا جو ہمیشہ سچائی کے شیوہ میں کوشش کیا کرتا تھا چنانچہ اس کے کارناموں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی سعی کارگر ہوئی چار صدیوں سے زیادہ مسلمان فاتحوں نے سلطنت ہند کے ٹکڑے ٹکڑے جدا جدا رکھے۔ اور اکبر کا عہد شروع ہونے تک بھی

یہ سلطنت بے انتظام اور پراگندہ ہی رہی اکبر نے اس کو مستحکم اور ایک سلطنت بنادیا ان چار صدیوں میں قرآن شریف کے اصول کو افغان فاتح متعصبانہ طور پر خلاف قدرت معنوں میں لیتے رہے یہاں تک تاویلیں کی گئیں کہ ہندوؤں پر لوٹ مار جائز قرار دی گئی اکبر سے پیشتر کے بادشاہوں میں سب سے زیادہ مہذب سلطان فیروز شاہ ہوا ہے اور ایک انگریز مصنف کی رائے میں یہ بڑا خدا ترس اور فیاض بادشاہ تھا مگر وہ خود اس بات کا اقبال کرتا ہے کہ جنہوں نے دین اسلام قبول نہ کیا ان پر اس نے کیسے کیسے ظلم کئے چنانچہ جب اکبر تخت نشین ہوا ہے تو مذہب کے نام سے ظلم کرنے کا اصول پورا پورا جاری تھا اور اکبر نے ہی اسے موقوف کیا۔

اکبر کا بڑا خیال یہ تھا کہ تمام ہندوستان ایک بادشاہ کے ماتحت ہو جائے۔ جس سے یہاں کی تمام رعایا میں باہم اتحاد و اتفاق پیدا ہو یہ بات وہ ابتدا ہی میں جان گیا تھا کہ مذہب کا ایک ہو جانا تو ناممکن ہے ہاں صرف اتفاق یہاں تک ممکن ہے کہ سب کے اغراض مشترک ہوں اس مدعا کے پورا کرنے کے لئے اول یہ ضرور تھا کہ ملک فتح کیا جائے دوم خدا تعالیٰ کی عبادت کے سارے طریقوں اور تمام عقیدوں کی تعظیم کی جائے اس تجویز کے پورا کرنے کے لئے اس نے پہلے مروجہ اسلامی رسوم کو کسی قدر بدل کر اپنے ایجاد کئے ہوئے طریق میں داخل کیا۔ اور کلمۂ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی بجائے جس کے سبب اتنے ظلم ہو چکے تھے اس نے یہ ترمیم شدہ کلمہ جاری کیا۔ لا الٰہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ۔ اکبر نے یہ سوچا کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو بت پرست لوگوں کو خدا کو حدانیت کی تعلیم دینے کے لئے آئے تھے اور ان لوگوں کو خوش خبری دینے کے لئے بھیجے گئے تھے لیکن جو اصول رسول اللہ نے قرآن شریف کے ذریعے جاری کئے لوگوں نے ان کے معنی اس طرف لگا لئے کہ خدا کی وحدانیت کے مسئلے کو تلوار کے زور سے پھیلانا چاہئے۔

اکبر نے خیال کیا کہ کم از کم ہندوستان میں ضرور اس غلط فہمی پر عمل کرنے کا نتیجہ ناکام ہوا ہے اور چار صدیوں سے زیادہ کا زمانہ اس ناکامی کا شاہد تھا جب اکبر کو اکیسواں برس لگا تو وہ سمجھ گیا کہ جو سلطنت اس اصول پر چلائی جائے گی وہ کبھی نہ کبھی ہاتھ سے نکل جائے گی اس کا مدعا جیسا ہم بار بار ذکر کر چکے ہیں یہ تھا کہ سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے جمع ہو کر

ایک سلطنت ہوجائے رعایا میں باہم دوستی واتفاق قائم ہو اور ایسا اصول مروج ہوجائے جس سے اس کی تمام رعایا کے اغراض مشترک ہوجائیں اس نے دریافت کیا کہ یہ اصول اسی وقت جاری ہو سکے گا۔ جبکہ اسلامی کلمہ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے تبدیل کیا جائے حضرت محمد صاحب کے احکام کے معنی جب غلط سمجھے جائیں اور الٹے لگائے جائیں تو سوائے نفاق کے اور اس کا نتیجہ کچھ نہیں ہو سکتا تھا اس لئے اکبر نے اپنے زمانے اور عہد سلطنت میں حضرت محمد صاحب کی جگہ خود پیغمبر بن جانا مناسب سمجھا تا کہ قادر مطلق وحدہٗ لاشریک کے فیض رسان اور رحیمانہ احکام کو خود لوگوں پر ظاہر کرے۔

جب تک اکبر خود پیغمبر اور شارع رہے گا تلوار چلانے کا مذہب شاہی مذہب نہ ہو سکے گا قطع نظر اس کے سارے ہندوستان میں اس کا صلح کل اثر پھیلتا جائے گا لوگوں کے دلوں سے پہلا ظلم محو ہو جائے گا اور مذہبی آزادی کے اعلان کے بعد پوری پوری آزادی پھیل جائے گی اکبر کا ارادہ تھا کہ جب سارا ملک اس تبدیلی سے واقف ہو جائے تو ہندوستان کے راجاؤں اور قوموں کے روبرو اس بات کی اپیل کی کہ اس تاجور کی اطاعت قبول کریں جو اس بات پر کمر بستہ ہے کہ ان کی حفاظت کرے اور ان پر ظلم نہ ہونے دے اس اپیل کے کرنے سے یہ غرض تھی کہ وہ اس قومی فلاح میں اس کے مددگار ہوں۔ جس میں کوئی اس کی ذاتی غرض نہ تھی بلکہ کروڑوں بندگان خدا کی بہتری متصور تھی جو چار صدیون سے حملوں' خانہ جنگیوں اور اور کئی قسم کے جور وستم سے جو ان کے نتیجوں سے پیدا ہوا تھا دکھ اٹھا رہے تھے۔

اکبر کی اپیل سنگدل اور بے سمجھ لوگوں کے روبرو نہ تھی چتوڑ یعنی اودے پور کے رانا کے سوا ہندوستان کے بڑے بارعب راجپوت راجا اور رعایا نے اس کی تجویز منظور کرلی۔ جے پور اور جودھ پور کی ریاستیں ان سب میں بڑی طاقتور تھیں انہوں نے اپنی بڑی جرار سپاہ سے اس کی مدد کی اور ایسے مشیر اس کو دیئے جو گو ہندو تھے مگر اس کے نہایت ہی معتبر فوجی افسر بنے مخالفت کی تو اس کے اپنے ہی دربار کے متعصب امرانے کی اور نیز ان افغان حملہ آوروں کی اولاد نے جو بنگال اڑیسہ اور مغربی ہند میں آباد تھی۔ اس

کی رحیمانہ تجویز کے لئے یہ ضرور تھا کہ ان سب کو شامل کیا جائے اول تو اکبر نے ان کو اپنی ماتحتی اختیار کرنے کے لئے ترغیب دی مگر انہوں نے اس نیت سے اطاعت قبول کرلی کہ جب موقع ہاتھ لگے گا باغی ہو جائیں گے چونکہ سوائے فتح کرنے کے اور کوئی چارہ نہ رہا۔ اس لئے انہیں مغلوب ہی کرنا پڑا اس کا نتیجہ ہمیشہ یہ ہوتا رہا کہ مذہبی آزادی عمدہ اور سب کے لئے یکساں قوانین اور سب کے لئے یکساں انصاف قائم ہوتا گیا۔

پس ہندوستان کے مسلمان حملہ آوروں میں سے اکبر ہی نے پہلے پہل مفتوحہ صوبجات کو ملا کر ایک کیا اور جہاں تک اس کو فتح نصیب ہوئی اس نے ایک مضبوط اور مستحکم سلطنت قائم کی۔ صرف جنوبی ہندوستان کا کچھ حصہ اس کے ماتحت نہ تھا وجوہات مذکورہ بالا سے یہی لازم آتا ہے کہ آئندہ نسلیں اکبر کی تعریف کریں۔ ہم نے اس کی ساری کارروائی پر شروع سے آخر تک بڑی غور کی ہے اور ہم اس کے مدعا کی تہ تک پہنچے ہیں۔ اس لئے اس کی نیک نیتی کی شہادت دیتے ہیں اس کے دربار کے کئی امرا اس پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ یہ چاہتا تھا کہ لوگ اس کی فرمانبرداری اور عبادت اسی طرح پر کریں۔ جس طرح پر خدا کی کرتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ یہ اس کی خواہش ہرگز نہ تھی بلکہ وہ اپنے آپ کو اس دین کا مجتہد کہتا تھا جو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کی طرف سے لائے تھے کیونکہ اکبر اس کی اعلیٰ صداقت' فیض رسانی' مذہبی آزادی اور بلا لحاظ اعتقاد سب کے لئے مساوی انصاف کی تعلیم دیتا تھا جو ضابطہ اس نے مقرر کیا تھا اس سے بڑھ کر بادشاہ کے لئے یا سلطنت کے بانی کے لئے کوئی ضابطہ نہیں ہوسکتا۔

اکبر کا اصول اعظم یہ تھا کہ "نیکی ہر ایک مذہب میں ہے پس ہمیں چاہئے کہ نیکی اختیار کرلیں اور باقی ماندہ ترک کردیں" اس نے دیکھا کہ ہندو مذہب میں نیکی ہے کیونکہ اس کی تعلیم یہ ہے کہ رحم دلی' فیض رسانی اور کنبے کی پرورش کرنی چاہئے اور اوروں کو اپنے مذہب چھوڑنے کی ترغیب دینے کا تو اس میں ذکر ہی نہیں پارسیوں کے سیدھے سادے مذہب میں بھی اور عیسائی مذہب میں بھی اس کو خوبی نظر آئی۔ غرض سب میں اچھی باتیں ہیں اس کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ ہر ایک انسان میں کچھ نہ کچھ خوبی ہوتی ہے اس واسطے وہ درگزر بہت کیا کرتا تھا جب تک اصلاح کی امید رہتی تھی سزا دینا پسند نہ کرتا تھا۔ اور معاف کرکے بہت خوش

ہوتا تھا اس کے طریقے کا بڑا اصول یہ تھا کہ گنہگار سے کہنا کہ "اب تو چلا جا پھر گناہ نہ کرنا"۔

ناظرین کو معلوم ہو گیا کہ سلطنت مغلیہ کا بانی اکبر کیسا تھا اور اس کے اصول جن کے ذریعے اس نے سلطنت قائم کی کیسے تھے اگر اس کے جانشین ان پر کاربند رہتے تو سلطنت ان کے ہاتھ سے نہ جاتی انہیں اصول کو صاحبان انگریز تسلیم و رائج کر کے آج سلطنت کر رہے ہیں۔

اس کتاب میں ہم نے اکبر اور اس کی کارروائیوں کا ذکر اس طریقے پر کیا ہے کہ گویا ہم اس کا مقابلہ آج کل کے بادشاہوں سے کر رہے ہیں گو دو صدیوں کے گزرنے سے کچھ مخالف اثر پڑ گیا کم نہیں نکلے گا اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کے ہم عصر یورپین تاجور اپنے اپنے ملک کے بڑے نامی بادشاہ گزرے ہیں۔ کیونکہ جب اکبر ہندوستان میں امن قائم کر رہا تھا تو ملکۂ الزبتھ (Elezabeth) انگلستان میں حکمران تھی۔ اور بادشاہ ہنری چہارم (Henry IV) فرانس میں اگر ان سے کچھ مقابلہ کیا جائے تو بھی اکبر پیچھے نہیں رہے گا اس کی نیک نامی کی بنا وہ کاروائیاں ہیں جن سے اس کے پیچھے بھی فائدہ پہنچا اس بات کا تو کسی کو خیال ہی نہیں آسکتا کہ اگر ہمایوں کے بعد اکبر کا بیٹا جہانگیر تخت نشین ہوتا تو وہ منتشر ممالک میں جو اس کے ورثے میں آتے یا وہ فتح کرتا ایسی باہمی صلح اور اتحاد قائم کر دیتا اس کی پر جوش اور مؤثر طبیعت سے اس کام کا سرانجام نہیں ہو سکتا تھا لیکن اکبر نے سلطنت کی بنیاد اس طرح قائم کی تھی کہ اس کا لڑکا گو باپ کے بالکل برعکس تھا پھر بھی اس سلطنت کو قائم رکھ سکا۔ جس کے مختلف اجزا کو اس کے باپ کے اصول نے یکساں کر کے مضبوط کر دیا تھا جب ہم اکبر کے ان کارناموں پر ذرا غور کرتے ہیں اور اس زمانے کی حالت کو بھی مدنظر رکھتے ہیں جس میں اس نے یہ سب کچھ کر دکھایا اور اس کی تکمیل کے لئے جو طریقہ اس نے اختیار کیا اس کو سوچتے ہیں تو ہمیں خواہ مخواہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اکبر ان نیک نام آدمیوں میں سے تھا جن کو اللہ تعالیٰ کسی قوم کی مصیبت کے وقت میں بھیجا کرتا ہے کہ وہ اس قوم کو امن اور مذہبی آزادی کے راستے پر چلائے جس کے سوا خلقِ خدا کی بہتری کا اور کوئی طریقہ نہیں۔

دنیا کی تاریخ
تاریخ قدیم
هندوستان
اخلاقیات ارسطو
animal farm